Presented to

The Kashmir University Library

by

the Author.

نقشہائے رنگ رنگ

رادھے شیام اختر

مطبوعہ

نامی پریس

لکھنؤ

فہرست

انتساب

یہ مجموعہ

مرحوم "جناب قبلہ منشی اودھ بہاری لال صاحب ثمر" کے نام

جن کے فیضِ تعلیم سے

احقر کے ذوقِ علم و ادب کی تربیت ہوئی!

نہایت ادب و احترام

کے ساتھ

منسوب

کیا جاتا ہے!

شکریہ

میں عالیجناب پروفیسر مسعود حسن صاحب رضوی صدر شعبۂ فارسی و اردو لکھنؤ یونیورسٹی

کے بیش قیمت مشوروں کیلئے اُن کا شکریہ ادا کرتا ہوں!

پروفیسر آل احمد صاحب سرور کا بالخصوص رہینِ منّت ہوں، کہ

اُنھوں نے اِس مجموعے کی ترتیب، تکمیل، اور طباعت میں ہر وقت ہر طرح کی

علمی و عملی امداد فرمائی!

خواجہ قمرالدین احمد صاحب (مالک نامی پریس لکھنؤ) کا شکریہ ادا کرنا

میرا خوشگوار فرض ہے!

تعارف

(پروفیسر مسعود حسن صاحب رضوی صدر شعبۂ فارسی و اُردو، لکھنؤ یونیورسٹی)

جناب رادھے شیام صاحب رستوگی متخلص بہ احقر کا مولد و مسکن لکھنؤ ہے، انکے آبا و اجداد کا وطن بھی مدت دراز سے یہی مردم خیز شہر ہے، ان کے والد سرگ باشی لالہ رگھوبر دیال صاحب ایک متقی و پرہیزگار بزرگ تھے، جن کا وقت زیادہ تر عبادت و ریاضت میں صرف ہوتا تھا، خیر خیرات، دان پُن، اُن کا محبوب مشغلہ تھا، برہمنوں سے خاص عقیدت رکھتے تھے اور اُن کی خدمت کو کارِ ثواب سمجھتے تھے، اپنی عمر کے آخری بیس سال دنیاداری کے بکھیڑوں سے دامن چھڑا کر بیشتر متھرا اور ناتھ دوار کے مقدس مقاموں میں قیام پذیر رہے، اور وہاں کی رُوحانی فضا سے کسبِ فیض کرتے رہے، مذہبی ذوق کے ساتھ اُن کو علمی شوق بھی تھا، اُردو اور فارسی میں اچھی استعداد، اور ان زبانوں کی شاعری سے دلچسپی تھی، اس طرح فارسی اور اُردو شاعری کا ذوق احقر صاحب کو وراثت میں ملا ہے۔

رادھے شیام صاحب ۱۵ راکتوبر ۱۹۰۶ء کو پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی، تیز ذہن اور قوی حافظہ قدرت کا عطیہ تھا، تھوڑے ہی دن میں اس قابل ہوگئے کہ ۱۹۱۶ء میں چرچ مشن ہائی اسکول میں چھٹے درجے میں داخلہ ہوگیا، یہ اسکول اُس زمانے میں لکھنؤ کی بہترین درسگاہوں میں شمار ہوتا تھا، وہاں مسٹر ایم، سی، رائے ہیڈ ماسٹر، اور منشی اودھ بہاری لال صاحب ثمرؔ فارسی کے معلّم تھے، وہ انگریزی گرامر کی تعلیم میں لاجواب تھے، اور یہ فارسی کی تدریس میں بے نظیر، منشی صاحب کی غیر معمولی قابلیت اور اُن کی بزرگانہ شفقت اُن کے شاگردوں کو اُن کا گرویدہ کر دیتی تھی،



رادھے شیام رستوگی

رادھے شیام صاحب بھی اُن کی شخصیت سے بہت متاثر ہوئے، اور ایسے لائق اور شفیق اُستاد کی تعلیم سے مستفیض ہونے کا شوق اُن کے دل میں بڑھتا گیا، یہاں تک کہ اُن کے والد نے ان کو گھر پر فارسی کی مزید تعلیم دینے کے لئے منشی صاحب کے خدمات حاصل کر لئے، ان کی تعلیم و تربیت نے فارسی اُدب کا شوق مستحکم اور شعر و سخن کا ذوق پختہ کر دیا، اب وہ شعر کہنے اور منشی صاحب سے اصلاح لینے لگے۔

ہائی اسکول کی تعلیم ختم کرنے کے بعد رادھے شیام صاحب نے انٹرمیڈیٹ اور بی، اے کے درجوں میں بھی فارسی کو اختیاری مضامین میں شامل رکھا، اور درسی کتابوں کے علاوہ فارسی کے اساتذہ کا کلام منشی صاحب کی مدد سے پڑھتے رہے، ۱۹۲۵ء میں بی، اے کا امتحان پاس کر کے ایم، اے کے درجے میں انگریزی اُدبیات کا درس لینے لگے ۱۹۲۷ء میں ایم، اے کا امتحان بھی درجۂ اوّل میں پاس کر لیا، تعلیم ختم کرنے کے بعد کچھ مدّت کے لئے لکھنؤ یونیورسٹی میں انگریزی کے لکچرر ہو گئے، یہ جگہ عارضی تھی، اور وہ ایل، ایل، بی بھی ہو چکے تھے، اِسلئے "بیٹھے سے بیگار بھلی" کے اصول پر وکالت شروع کر دی، ڈیڑھ سال وکالت کی ابتدائی صبر آزما منزلیں طے کرتے رہے، مگر اس پیشے میں اُن کے فطری ذوقِ علم و اُدب کی تسکین کا کوئی سامان نہ تھا، اِسلئے اس کو خیرباد کہہ کر پھر یونیورسٹی کا رُخ کیا، وقتاً فوقتاً عارضی طور پر انگریزی کے لکچرر کی حیثیت سے کام کرتے رہے، بالآخر ۱۹۳۵ء میں اس عہدے پر اُن کا مستقل تقرر ہو گیا، اور اب تک اپنے فرائضِ منصبی کو انہماک اور دلچسپی کیساتھ ادا کر رہے ہیں۔

رادھے شیام صاحب اچھے مقرر بھی ہیں، ۱۹۳۴ء میں جب وہ یُو، پی کونسل کے ممبر نامزد ہوئے، تو ان کی تقریر کے جوہر خوب کھُلے، اور مقرر کی حیثیت سے اُن کو کافی شہرت حاصل ہوئی۔

شعر و سخن کا شوق جو قدرت نے رادھے شیام صاحب کی طبیعت میں ودیعت کیا تھا، اور جس پر منشی اُودھ بہاری لال صاحب ثمر کے فیضِ تربیت نے جلا کی تھی، وہ ان کی گوناگوں مصروفیتوں کیساتھ ترقی کرتا رہا، اور آخر احقر تخلص کے ساتھ غزلوں کی صورت میں ظاہر ہونے لگا، ۱۹۲۰ء سے دس سال تک صرف غزل کہتے رہے، ۱۹۳۰ء سے قومی آزادی کی تحریک سے متاثر ہو کر نظمیں کہنے لگے، "فقیرِ برہنہ"، "مُشتِ غبار"، "خوابِ خیال"، "نوحۂ سردار بھگت سنگھ"، اسی تأثر کا نتیجہ ہیں۔

انگریزی ادبیات کا مطالعہ تو گویا احقر صاحب کا پیشہ ہی ہے، لیکن اس کے ساتھ فارسی اور اُردو کے نامور اساتذہ کا کلام بھی پیشِ نظر رہتا ہے، فارسی میں حافظ، عرفی اور قاآنی، اور اُردو میں انیس، غالب، اقبال، اور چکبست کے کلام سے اُن کو خاص دلچسپی ہے۔

مصنف کا تعارف ہو چکا، تصنیف اپنا تعارف خود کرا لے گی، شعر و سخن کا یہ گلزار آپ کے سامنے ہے، رنگ رنگ کے پھول کھلے ہوئے ہیں، اس کی سیر کیجئے اور بہار دیکھئے، بھول چوک انسان کے خمیر میں ہے، آپ عیب بینی کی زحمت کیوں کریں، گلچینی کا لطف کیوں نہ اُٹھائیں، احقر صاحب نہ کوئی پیشہ ور شاعر ہیں، نہ شاعری اُن کا خاص مشغلہ ہے، اُن کی شاعری تفننِ طبع کا ذریعہ اور جوشِ طبیعت کا نتیجہ ہے، نہ ستایش کی تمنا، نہ صلے کی پروا۔

حرفِ چند

ہمارے مشرقی نظامِ تعلیم میں شعر و ادب کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے، اُنیسویں صدی میں مغرب سے جو نظام ملا، اُس میں بھی ادبی تعلیم کو نمایاں جگہ دی گئی تھی، آپ اُس نظامِ تعلیم کی کتنی ہی مذمت کیجیے لیکن اسکے ذریعے سے مشرق و مغرب کے شاہکار، طلباء کے ذہن پر اثر ڈالتے تھے، اُن کی شخصیت میں خوابوں اور خیالوں کی کتنی ہی جنّتیں آباد کر دیتے تھے۔ اُن کو انسانیت، تہذیب اور دردمندی کی قدروں سے آشنا کرتے تھے، اُنھیں حُسن اور حُسن کاری کا ایک احساس عطا کرتے تھے، خواہ وہ کتنا محدود ہی کیوں نہو، اُنھیں قطرے میں دجلہ دکھاتے تھے، اور جُزء میں کُل کا مشاہدہ کرنے کی صلاحیت عطا کرتے تھے۔

لکھنؤ کی سرزمین اس لحاظ سے شمالی ہند میں ایک مخصوص منزلت کی مالک ہے، یہاں ایک مشترک تہذیب و تمدن کے فروغ سے اُردو زبان کو خاص و عام میں مقبولیت حاصل ہوئی، مختلف مذاہب کے لوگ بعض باتوں میں مختلف ہونے کے باوجود ایک تہذیب، ایک معاشرت، بلکہ ایک قومی مزاج کے آئینہ دار ہو گئے، اُنھوں نے اپنے کلاسیکل شعرا کا ایک خاص احترام سیکھا، فکر و فن کے کچھ آداب اُن کی گھٹّی میں آئے، یہ فکر و فن زوال آمادہ سہی، پُرانا سہی، سطحی اور محدود سہی، مگر ایک عظمت، ایک حُسن، ایک دلآویزی اور دلبری تو رکھتا ہے، پھر اسنے زندگی میں کتنا توازن اور تناسب، کتنی دردمندی اور رواداری، کتنی شائستگی اور خوش سلیقگی پیدا کی ہے، اس سے کوئی کافر ہی انکار کر سکے گا۔

رادھے شیام رستوگی، لکھنؤ کے ایک ممتاز اور سربرآوردہ خاندان کے چشم و چراغ ہیں، اُردو اور فارسی کی تعلیم لکھنؤ کے پُرانے دستور کے مطابق حاصل کر کے، اُنھوں نے اسکول اور کالج کی

منزلیں طے کیں، انگریزی ادب سے شغف کی تہ میں وہ ادبی ذوق ہے جسے اردو اور فارسی ادب کے مطالعہ نے جلا دی۔ ایم۔ اے میں ممتاز کامیابی کے بعد رستوگی صاحب لکھنؤ یونیورسٹی میں انگریزی کے شعبے میں لکچرر ہو گئے، اور آج بھی شعبے میں وہ اپنی اعلیٰ استعداد علمی، فرض شناسی اور سنجیدگی کی وجہ سے بڑی قدر کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔

میں ۱۹۴۶ء میں لکھنؤ آیا تو رستوگی صاحب سے بھی ملاقات ہوئی، اُن کے متعلق دو باتیں مجھے بتائی گئی تھیں، ایک تو یہ کہ انھیں برنارڈ شا سے گہری دلچسپی ہے، دوسرے یہ کہ وہ شاعر ہیں، اور اردو اور فارسی دونوں میں شعر کہتے ہیں، پہلی ملاقات میں وہ نہ شاؔ کے عقیدتمند معلوم ہوئے نہ شاعر، شاعر تو آسانی سے پہچان لیا جاتا ہے، مگر شاؔ کا مدّاح بھی چھپتا نہیں، اسکے بعد سے میں اُس نقاب پر زیادہ اعتماد نہیں کرتا جو روزمرہ زندگی میں لوگوں کے چہرے پر نظر آتی ہے، جن لوگوں نے شاؔ کے کلام کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ شاؔ کا اثر عجیب و غریب ہوتا ہے، یہ دل ہی پر نہیں دماغ پر بھی وار کرتا ہے۔ یہ بت شکنی، حریتِ فکر، سماجی شعور، طنز، تخریب و تعمیر کے کتنے ہی گوشے روشن کرتا ہے، یہ شخصیت اور مزاج میں کیسی کیسی شعلہ آسا اور برق تاب تبدیلیاں کرتا ہے، یہ ہر ٹھہرے ہوئے پانی میں طوفان کی سی کیفیت پیدا کر دیتا ہے، ہر سکون پسند انسان کو پارا بنا دیتا ہے، یہ ذہن کو برق، اور زبان کو تلوار بنا دیتا ہے۔ رستوگی صاحب سے ابتدائی ملاقاتوں میں مجھے ان باتوں کا احساس نہ ہوا، شاعری کے اثرات پر زیادہ زور دینے کی ضرورت نہیں، کچھ لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ شاعر جب تک مجنوں نظر نہ آئے، وہ شاعر نہیں کہا جا سکتا، کچھ مجنوں نہ ہوتے ہوئے اس کی خاطر کوئی لیلیٰ تلاش کر لیتے ہیں، کچھ لیلیٔ جام کی پرستش ضروری سمجھتے ہیں، بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہا ہے کہ خالی جیب، اور ٹوٹا ہوا دل، شاعر کو خوب راس آتے ہیں۔ میر شاعری کو فن شریف سمجھتے تھے، اُنھوں نے ناسخ جیسے پہلوان، اور رنگین جیسے سپاہی کو بھی شعر کہنے سے باز رکھنا چاہا تھا، دراصل ان سب خیالات میں بڑی سطحیت پائی جاتی ہے، مغرب میں اب شاعری کو ایک مہذب اور سنجیدہ مشغلہ مانا جاتا ہے، وہاں کے اچھے اچھے شعرا شعر و شاعری کی رومانیت، خیال انگیزی، دردمندی اور سوز و گداز کو مانتے ہیں، مگر

شاعر کا دنیا والوں سے مختلف ہونا یا روزمرہ زندگی کی ضروریات سے بے نیاز ہونا اُن کے نزدیک مستحسن نہیں، یہ سب شعراء اچھے "شہری"، ذمہ دار افسر یا قومی کارکن ہونے سے شرماتے نہیں۔ ایلیٹ ایک ناشر کے ادبی مشیر ہیں، میک نیس بی بی سی کے لئے ریڈیو ڈرامے لکھتے ہیں، ڈے لیوس آکسفورڈ میں انگریزی شاعری کے پروفیسر ہیں، وہ لوگ تخلیق اور تنقید کو اس طرح خانوں میں نہیں بانٹتے، وہ خواب اور حقیقت میں اتنا تضاد نہیں دیکھتے، وہ شاعری کو فنونِ لطیفہ اور تہذیب میں ایک بلند جگہ دیتے ہیں، مگر شاعر کی زندگی سے بے تعلقی اور اس کا کسی قصرِ بلند بام میں مقید ہو جانا پسند نہیں کرتے، مغرب کا یہ رویّہ ہمارے مشرقی تصوّر سے زیادہ جامع، صالح اور صحت مند ہے۔

رستوگی صاحب بھی صورت سے شاعر نہیں معلوم ہوتے، یوں تو وہ پروفیسر کے بجائے ایک افسر معلوم ہوتے ہیں، مگر ابتدائی تعلیم و تربیت اور لکھنؤ کے ماحول نے اُنھیں شعر و ادب کا دلدادہ اور رفتہ رفتہ شاعر بنا دیا، اُنکی شاعری یوں تو روایتی شاعری ہے، مگر محض روایتی شاعری کہہ کر اُسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اُنکے یہاں روایات کا اچھا احساس اور فن کا ایک گہرا تصوّر ملتا ہے۔ زیادہ اہم بات یہ ہے کہ شاعری رستوگی صاحب کی شخصیت کا ایک ہی پہلو ہے، یہ اُن کی پوری زندگی نہیں ہے، شاعرانہ جذبات کے سیلاب نے یہاں پوری شخصیت کو زیر و زبر کرنے کے بجائے، اپنی ایک مخصوص وادی میں بہنا گوارا کر لیا ہے، رستوگی صاحب بھی لکھنؤ کے دوسرے شعراء کی طرح غزل سے چلے ہیں، مگر انھوں نے نظمیں بھی لکھی ہیں، رباعیات و قطعات کے صنف کو بھی برتا ہے، قطعاتِ تاریخ بھی کہے ہیں، اُردو کے ساتھ ساتھ فارسی میں بھی طبع آزمائی کی ہے، پھر وہ دوسرے نوجوانوں کی طرح قومی تحریک، حُبِّ وطن، مغربی سامراج کی ریشہ دوانیوں، ہندو مسلم افتراق، رسم و رواج کی خرابیوں، عدالتوں میں رشوت ستانی کی گرم بازاری، غرض زندگی کے مختلف پہلوؤں کی مصوّری کرتے ہیں، ان سب نظموں اور غزلوں کا تفصیلی تجزیہ میں غیر ضروری سمجھتا ہوں، آج کل کے مقدمہ نگاروں میں یہ روش عام ہے کہ وہ ہر شاعر کا موازنہ دوسرے مشہور شعراء سے یا اپنے خاص ادبی نقطۂ نظر سے ضروری سمجھتے ہیں، مجھے اس طریقے کی افادیت سے انکار نہیں، لیکن میرے نزدیک مقدمہ نگار کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ شاعر کی خصوصیات کو بیان کرے، اور کتاب کے اُن پہلوؤں کی طرف اشارہ کرے جن سے

مصنف کے ادبی رنگ کی نمایندگی ہوتی ہو، ایک عام پڑھنے والا یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ شاعر نے کیا کہا ہے، وہ محض اس سے مطمئن نہیں ہوتا کہ اس کی میزان یا گردان کیا ہے، یا یہ گشتنی ہے یا سوختنی، ایک دفعہ مجھے اجمیر شریف جانے کا اتفاق ہوا، خدام قدم قدم پر ملتے تھے، یہاں سجدہ کرو، یہاں نذر کرو، یہ عبرت کا مقام ہے وہ عبادت کا، اسکے بعد میں کسی ایسے مزار پر نہیں گیا جہاں لوگ انگلی پکڑ کر چلانا چاہتے تھے۔ میرا خیال ہے کہ عام پڑھنے والا عدالتی فیصلے کو پسند نہیں کرتا، وہ تنقیحات کو دیکھتا ہے اور خود فیصلہ کرنا چاہتا ہے ـــــ اور یہی ٹھیک بھی ہے۔

رستوگی صاحب کی غزل میں پُرانا رنگ ہے، یہ رنگ کی خوبی یا خامی کی طرف نہیں، اس کی خصوصیت کی طرف اشارہ ہے، جگر صاحب کا رنگ بھی پُرانا ہے، لکھنؤ میں ثاقب، صفی، آرزو بھی پُرانے رنگ کو نکھار کر پیش کرتے ہیں۔ رستوگی صاحب کے لئے شاعری ساری زندگی نہیں ہے، یہ اُن کے جذبات کی آسودگی، اُن کی فطرت کی ایک بے چینی کی تسکین، اُن کے حُسن کے احساس کی ترجمانی کا نام ہے، یہ تعجب ضرور ہوتا ہے کہ مغربی اُدب کے اتنے گہرے مطالعے نے بھی اُنھیں شعر میں تجربے کرنے یا نئی راہیں نکالنے پر مائل نہیں کیا، مگر اُن کی زندگی میں جو سلامت روی، جو میانہ روی، جو استقلال، جو مانوس رفتاری ہے، وہی اُن کی شاعری میں بھی نمایاں ہے، پھر بھی اُن کی غزلوں میں متعدد اشعار ایسے ہیں جو ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں، اور جہاں جذبہ اپنی بے ساختگی اور حُسن کاری کی وجہ سے ایک دلکشی اختیار کر لیتا ہے، اور دل اسکی طرف کھنچ جاتا ہے چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ ؎

پریشاں مجھے دیکھ کر لوگ بولے ۔۔۔ صد افسوس! یہ مبتلا ہے کسی کا

مضموں لکھے ہیں اُس رُخِ تاباں کے وصف میں ۔۔۔ خورشید اک ورق ہے ہماری کتاب کا

غلط کہتے ہیں پروانوں کے جلنے کا اسے غم ہے

رُلاتا ہے تصورؔ شمع کو محفل سے جانے کا

مشامِ جاں معطّر ہو گئی ہے　　نسیمِ صبح لائی نکہتِ دوست

ہمارے خون کی رنگت شوخ ہو رنگِ رُخِ گُل سے　　تماشائے چمن دکھلائیگی قاتل کے دامن پر

خاطرِ نازک کہاں، یہ غم کہاں　　شیشے کو پتھر سے ٹکراتے ہیں، ہم

ہیں گلرخانِ دہر میں سب خوبیاں، مگر　　اُن میں وفا کا رنگ، مُروّت کی بُو نہیں

ہر بات پر بگڑتے ہو رندوں سے شیخ جی　　سارے جہاں میں ایک مسلمان تمھیں تو ہو

ہمدم اگر ترا نہ ہو کوئی شبِ فراق میں　　دیکھ نہ چھوڑ دیجیو زلفِ الم کو ہاتھ سے
آپ کے ہاتھ سے ملا، شاخِ نبات بن گیا　　جانے نہ دینگے ہم کبھی کاسۂ سم کو ہاتھ سے
ماہ بھی ماہتاب بھی اختر خستہ تن کی رات　　صبح کا رُو سیہ کرو دکھو یا صنم کو ہاتھ سے

لشکرِ غم کی ہوئی آمدِ دلبر سے شکست　　فوجِ عشرت نے مجھے گھیر لیا ہر سُو سے

اس میں ذکرِ یار ہے، اس میں خیالِ یار ہے
اپنی خاموشی بھی ہم پلّہ ہے گویائی کے ساتھ

ہم سے دیوانوں کو ایذا بھی ہو راحت سے سوا　　سیرِ صحرائے جنوں برہنہ پا ہوتی ہے

موافق کب ہے یہ اہلِ زمن سے — نئے غم ملتے ہیں چرخِ کہن سے

محبت میں ہیں صبر و شکر کے ہر چند ہم قائل — مگر کچھ کچھ کبھی لب پر شکایت آ ہی جاتی ہے

رستوگی صاحب کے یہاں غزل گوئی ایک خاص عمر کی یادگار ہے، یہ وقت گذر جانے پر اُنھیں گرد و پیش کا احساس ہوا، اور اُن کی تعلیم و تہذیب نے انھیں معاملاتِ زندگی میں ایک دیانت، انسانیت اور رواداری کا احساس دلایا، چنانچہ اُن کی نظموں میں یہی مرکزی تصوّر مختلف پہلوؤں سے ملتا ہے۔ مثلاً عدالتوں میں رشوت کی گرم بازاری سے متأثر ہو کر کہتے ہیں :- ؎

حاکمِ وقت نہیں پیش روِ مسلکِ عدل — خضر ہرگز یہ نہیں غولِ بیاباں کہئے
نور کو اسکے سمجھئے نارِ دوزخ — اسکے برفاب کو بھی آتشِ سوزاں کہئے
صفحۂ حکم کو گر مانئے انوارِ سحر — حکم کو تیرگیٔ شامِ غریباں کہئے
جبکہ مجروح کے ہوں زخم یہاں دامن در — کیوں نہ مرہم کے عوض اسکو نمکداں کہئے
اسکے میدان و احاطے کو حرم کیجئے فرض — اور اسے کعبۂ ایمان فروشاں کہئے

یہاں براہِ راست تلقین خشک وعظ ہو سکتی تھی، تشبیہات و استعارات کے اشاروں نے نظم میں ایک معنی خیز لُطف پیدا کر دیا۔ "ہندو مسلم فرقہ وارانہ فساد" اور "مسلمانانِ لکھنؤ سے خطاب" دونوں نظموں میں لکھنؤ کے تہذیب اور اس کی رواداری نطق بار ہے، اور شاعر نے وطن پرستی اور تہذیب کی صالح قدروں کی عکاسی کی ہے ؎

تیغِ مُسلم تھی برائے حفظِ ننگ و جان و مال — یا برائے قتلِ بے جُرمانِ بیکس خستہ حال
تیغِ مُسلم ہے برائے دشمنانِ مُلکِ ہند — یا برائے مسلمین و ساکنانِ مُلکِ ہند
توڑ زنجیرِ غلامی قید سے آزاد کر — ورنہ تُف ہے دین پر لعنت ترے ایمان پر

اور یہی دردمندی اُن سے ایک قطعے میں کہلواتی ہے :- ؎

یہ سوز و دردِ آزادی متاعِ بے بہا میری — یہی تاب و تواں میری، یہی رُوحِ رواں میری

قلم کی تعریف میں ایک نظم اُن کی پختہ کاری کی گواہ ہے، ایک بند مُلاحظہ ہو:- ؎

خامہ نہیں، قلم یہ نہالِ سخن کی ہے
ریشہ نہیں، یہ زُلف بُتِ سیمتن کی ہے

رشحہ نہیں، سیاہی یہ مُشکِ ختن کی ہے
مضموں میں چاشنی لبِ شیریں دہن کی ہے

رفتار میں ہے ناقۂ سرمست کی اُدا
آواز ہے صریر کی، یا نغمۂ حدیٰ

غرض رستوگی صاحب کے اس "نقشہائے رنگ رنگ" میں کتنے ہی نقش اپنے حُسن و زیبایش کی وجہ سے ہمیں اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں، اس میں ہندی لے بھی ہے اور عجمی مے بھی، تفصیل میں طوالت ہو، اور میرے پاس وقت بھی کم ہے، لیکن اُن کی بعض فارسی نظموں میں بڑی بے ساختگی اور روانی ملتی ہے اور ان سے یہ بات بھی آئینہ ہو جاتی ہے کہ مشرقیت کا یہ فدائی مغربی سامراج کی چیرہ دستیوں سے نالاں ہے، اور انگریزوں نے ہندوستان کی رُوح کو جو صدمے پہونچائے ہیں اُن پر فریاد و فغاں بلند کرتا ہے "فقیر برہنہ" بڑی دلکش نظم ہے، ہندوستان کی سیاست کا رہنما راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں تنہا قومی تحریک کی نمایندگی کے لئے جاتا ہے، چرچل کی فرعونیت کو یہ چاہے کتنا ہی ناگوار ہوا ہو، مگر ہندوستان اور ہندوستان کے دوستوں کے لئے گاندھی جی کا مغرب میں شاندار استقبال بڑے فخر کی بات تھی، اس نظم میں گاندھی جی کیساتھ عقیدت شعریت کے حسین رُوپ میں نظر آتی ہے۔ چند اشعار سے یہ بات واضح ہو جائے گی:- ؎

در سیاست انقلابے ایں چنیں آمد پدید
یک "فقیرِ برہنہ" در پیشِ خاقاں می رُود

آں فقیرِ تارکِ الدُّنیا کہ اسمِ پاکِ اُو
چوں وظایف بر زبانِ پاکبازاں می رُود

صلح جوئے و صلح خوئے و صلح کیش و صلح کوش
از برائے صلح سوئے انگلستاں می رُود

یا برائے آبیاری ہائے نخلِ حُرّیت
آبے آبے از ریاضِ خلد رضواں می رُود

یا رسولے بر بُراقِ عزم با جبریلِ ہوش
بہر دیدارِ جلالِ ظلِّ یزداں می رُود

یا ہزارِ خوش نوا بیتاب در فصلِ بہار
در تلاشِ بُوئے گُل سُوئے گلستاں می رُود

اسکے علاوہ خواب و خیال، نوحہ سردار بھگت سنگھ، خطاب بہ اقبال، ٹیگور، بر وفات مسز سروجنی نائیڈو،

کامیاب نظمیں ہی نہیں، رستوگی صاحب کے سیاسی و قومی شعور کی بھی آئینہ دار ہیں، اُن کی فارسی غزلوں میں بھی جا بجا خوش آب موتی بکھرے ہوئے ہیں، اور اہلِ نظر کو دعوتِ نظارہ دیتے ہیں۔

سی، ڈے، لیوس لکھتا ہے، کہ: "اچھا شعر مسرّت کے احساس سے شروع ہوتا ہے، اور بصیرت کے احساس پر ختم ہوتا ہے۔" "نقشہائے رنگ رنگ" میں مسرّت و بصیرت دونوں کا سامان موجود ہے، اور پھر کتاب حُسنِ معنی کے علاوہ حُسنِ صورت سے بھی مزیّن ہے۔ اس پُر آشوب دَور میں جب لوگ اپنے تہذیبی سرمائے سے منحرف ہونا باعثِ فخر سمجھتے ہیں، اس کتاب کی اشاعت سے لکھنؤ کی صالح روایات کی قدر بڑھ جاتی ہے، اور شاعری کی مشعل زندگانی کے کتنے ہی پُر پیچ راستوں میں اپنی روشنی سے اُجالا کرنے لگتی ہے، یہی شاعر کا انعام ہے۔

آل احمد سرور

۲۵ر مارچ ۱۹۵۳ء
لکھنؤ یونیورسٹی

غزلیات

نام سے تیرے جو روشن مطلعِ دیواں ہوا
ہر ورق خورشید کے مانند نور افشاں ہوا

تیری ہی قدرت سے پیدا ہے زمین و آسماں
خاک کا پُتلا تجلّی سے تری انساں ہوا

تیرے ابرِ فیض سے تازہ ہے باغِ کائنات
کیا گُلِ عالم نسیمِ فضل سے خنداں ہوا

قدر رکھتا ہے سلیماں سے زیادہ مور بھی
جو گدا دروازے کا تیرے ہوا سُلطاں ہوا

یاد سے تیری دلِ ناشاد اپنا شاد ہے
ذکر تیرا میرے دردِ فکر کا درماں ہوا

سربلندی میں بھی مجھ کو فخر کی دولت ملی
اللہ اللہ کس قدر مجھ پر ترا احساں ہوا

حلقۂ صاجدلاں میں تیرا اَحقرؔ نام ہے
یہ سمجھ لے چاک تیرا نامۂ عصیاں ہوا

بہار آئی، شگوفے پھُولے، کھِلا ہے تختہ ہر اک چمن کا
کہیں تماشا ہے یاسمن کا، کہیں تماشا ہے نسترن کا

جو یاد آیا وہ رُوئے رنگیں، بہے اِن آنکھوں سے اشکِ خونیں
ہوا مثالِ رگِ گُلِ تر ہر ایک تار اپنے پیرہن کا

جو تیغ کھینچی ہے تونے قاتل تو قتل کرنے میں دیر کیا ہے
نہ تجھ سے مٹّی میں مانگتا ہوں، نہ تجھ سے سائل ہوں میں کفن کا

قدم دھرا ہے جو عاشقی میں، تو نیستی کو سمجھ لے ہستی
عزیز رکھتا جو جانِ شیریں، تو نام ہوتا نہ کوہکن کا

کوئی ہے مانندِ شمع گھُلتا، کوئی ہے پروانہ وار جلتا
نہیں جو وہ روشنئِ محفل، عجب ہے احوال انجمن کا

کہاں یہ عزمِ بلند احقرؔ، ہزار پرواز کی ہوس ہو
ہوا ہے شاہیں سے آج تک کیا مقابلہ زاغ اور زغن کا

دیوانہ ہوں کس شوخ کی میں جلوہ گری کا
دُنیا یہ سمجھتی ہے کہ سایہ ہے پری کا

عالم سے ہے اے یار تری چال نرالی
نے ہنس کا انداز، نہ یہ کبک دری کا

صیّاد کی صورت سے قفس میں یہ لگا دل
مطلق نہ رہا غم مجھے بے بال و پری کا

گر تو نہیں، گُلشن بھی ہے اک محفلِ ماتم
ہے خندۂ گُل پر بھی یقیں نوحہ گری کا

اپنی تو خبر کیا ہے، کہ تیرا بھی نہیں ہوش
عالم یہ ترے ہجر میں ہے بے خبری کا

وہ ظلم تری چشم کی گردش نے کیا ہے
شکوہ نہ رہا چرخ کی بیدادگری کا

گُلشن سے قدم رنجہ قفس تک نہیں کرتی
کیا ٹوٹ گیا پیر نسیمِ سحری کا

بے خوف و خطر راہِ عدم ہے، مگر احقر
رہزن نہ سُنا کوئی جہاں سے سفری کا

آہ و نالہ نے کچھ اثر نہ کیا
ہجر کی شام کو سحر نہ کیا

تلخئ صبر خوشگوار ہوئی
زہر نے بھی مجھے اثر نہ کیا

سر کو پھوڑا جو کوہکن نے تو کیا
عشق میں کس نے نذر سر نہ کیا

کون سی ایسی آفت آئی جب
آسماں نے مجھے سپر نہ کیا

کانپتا ہے وہ دل غضب سے ترے
جسنے اے بُت خدا کا ڈر نہ کیا

جس نے دیکھا وہ روئے آتشناک
پھر گماں اُسنے برق پر نہ کیا

کوچ اپنا بھی ہو گیا اقؔر
غم و اندوہ نے سفر نہ کیا

یہ عالم کاہشِ غم سے ہوا ہے ناتوانی کا
بھروسہ اب نہیں یاروں کو میری زندگانی کا

قدِ رعنا صنوبر، زلف سنبل، چہرہ لالہ ہے
بہارِ باغ ہے عالم ترے جوشِ جوانی کا

جلا دیتا ہے مثلِ برق غیروں کا ہر اک خرمن
اثر ہے اپنے نالہ میں بلائے آسمانی کا

یقیں ہے تیشۂ اوّل میں کھوتا جانِ شیریں کو
جو سُنتا کوہکن قصّہ ہماری جانفشانی کا

غلط سمجھا ہے چہرہ پر ترے جو زلف سمجھا ہے
یہ افعی کو ہے گنجینہ پہ عہدہ پاسبانی کا

ضرر پہونچا سکے کب صاحبِ اقبال کو دشمن
نہووے آتشِ یاقوت کو اندیشہ پانی کا

دلِ شیدا کی حالت پوچھئے اَحقر تو کہتا ہے!
گِلہ کِس مُنہ سے کیجے یار کی نامہربانی کا

آنکھوں میں ہے جمالِ صنم کے خیال کا
اپنے فراق میں بھی ہے عالم وصال کا

مستِ مئے الست میں پھرتا ہوں کُو بکو
نے خوفِ محتسب ہے، نہ ڈر کوتوال کا

بوسہ وہ رُوئے دوست سے لے بے رضائے دوست
جس کو نہ ہو خیال حرام و حلال کا

دیجے جواب لیک تامل سے دیجیے
مطلب بہت دقیق ہے اپنے سوال کا

ساقی نشہ کو نشہ ہی ہم جانتے نہیں
جب تک کہ امتیاز ہے دُردِ زلال کا

ابروئے یار سے نہ گرہ زلف کی کُھلی
عقدہ کُشا نہیں ہے یہ ناخن ہلال کا

اَحقر غرض نہیں سمن و لالہ سے مجھے!
مُرغِ ترانہ سنج ہوں باغِ جمال کا

طوفان آگیا جو مرا دیدہ نم ہوا
ڈوبا جہاں جو موجزن اشکوں کا یم ہوا

ہمراہِ غیر سیرِ گلستاں کو تم گئے
عاشق غریب رہروِ مُلکِ عدم ہوا

پیدا کیا نہ دل نے تعلّق کسی کے ساتھ
شادی نہ وصل کی، نہ تو ہجراں کا غم ہوا

دنیا کی نعمتوں کا مزا جب مجھے مل گیا
کاسہ گدائی کا بھی مرا جامِ جم ہوا

چشمِ سیہ کا دھیان مرے دل میں ہے مقیم
اچھا ہوا کہ مسکنِ آہو حرم ہوا

دیر و حرم کا دھیان بھی آتا نہیں مجھے
جب سے کہ سجدہ گہ مرا کوئے صنم ہوا

پروانے جب جلے تو جلی شمع ساتھ ساتھ
معشوق کو بھی عاشقِ صادق کا غم ہوا

معشوق شوخ و شنگ نہیں تجھ سا دوسرا
اخگر کا ایسا عاشقِ جانباز کم ہوا

خوشرنگ ہے گُل سے گُلِ رخسار تمھارا
ریحاں سے سوا خط ہے نمودار تمھارا
مطلوب ہو تم، دل ہے طلبگار تمھارا
یہ آئنہ ہے تشنۂ دیدار تمھارا
یوسفؑ کو کبھی مفت بھی لیتی نہ زلیخا
نظّارہ جو کرتی سرِ بازار تمھارا
دامن کا بھی بوسہ نہ لیا فرطِ اَدب سے
اب تک نہیں یہ بندہ گنہگار تمھارا
گرمی سے جو خورشید قیامت کے جلیں گے
یاد آئے گا یہ سایۂ دیوار تمھارا
عشّاق کے سجدوں کا بھلا ذکر ہی کیا ہے
ہندو و مُسلماں ہے پرستار تمھارا
طوطی کی طرح کیوں نہ سُخن سنج ہو احقرؔ
ہے سامنے آئینۂ رخسار تمھارا

سودائے گیسوئے سیہ یار ہو گیا
آزاد تھا جو دل سو گرفتار ہو گیا

مجلس میں جس طرف تری ترچھی نظر پڑی
اک تیر تھا کہ توڑ کے صف، پار ہو گیا

سچ ہے یہ حرص کرتی ہے انسان کو خراب
غم کھایا اِس قدر، کہ میں بیمار ہو گیا

دل کو قرار ہے نہ تو جاں کو قرار ہے
یہ عشق ہے الٰہی! کہ آزار ہو گیا

اَبنائے جنس سے جو اُٹھائیں اَذیتیں
صُورت سے آدمی کی میں بیزار ہو گیا

سیرِ چمن کو یار جو آیا، تو دیکھنا
آنکھوں میں عندلیب کے گُل خار ہو گیا

احقر گِلہ رہا نہ عداوت کا غیر کی
جب یار قتل کرنے پہ تیار ہو گیا

جو لکھا وصف میں نے قامتِ موزونِ دلبر کا
دیا رتبہ خدا نے کلک کو شاخِ صنوبر کا

جوابِ خط نہ لایا شاید اُس کو ذبح کر ڈالا
تردّد ہے نشاں ملتا نہیں اُپنے کبوتر کا

غریقِ بحرِ اُلفت ہوں نہ ہو گی جانبری اس سے
نظر آتا نہیں مجھ کو کنارہ اس سمندر کا

لیا ہے دانہ ہائے خال کا بوسہ رقیبوں نے
ملا ہے رزق غیروں کو جو تھا میرے مقدّر کا

نہ آئیں ہاتھ اپنے کس طرح احقرؔ دُرِ مضموں
گذر ہے بحرِ فکرت میں مری طبعِ شناور کا

ساقیا عاشق ہوں میں اک نرگسِ مخمور کا
تاک میں تیرے ہوں لا ساغر مئے انگور کا

دیکھ لو جلوہ ہے اُس بُت میں خدا کے نور کا
ذکرِ موسیٰ ایک افسانہ ہے کوہِ طور کا

ہجر میں کرتا ہوں ہر دم نغمۂ آہ و فغاں
میرے سینے میں نفس اک تار ہے طنبور کا

مُشکِ اذفر سے کہیں بڑھ کر ہے گیسوئے صنم
ہے غلط بیشک گماں اُس پر شبِ دیجور کا

ہے بہت زیبا عذارِ یار پر خالِ سیاہ
مُشک کا دانہ ہے وہ، یہ قُرص ہے کافور کا

دل میں ہر دم درد ہے اور لب پہ آہِ سرد ہے
کیا بیاں ہو حال تیرے عاشقِ رنجور کا

نیش زن سے امرِ مشکل ہے حلاوت کی امید
کب ہے آساں شہد لینا خانۂ زنبور کا

اُس شہِ خوبی کے کوچہ سے تعلّق جس کو ہے
مرتبہ حاصل ہے اُس کو قیصر و فغفور کا

سب ہیں واقف میں فدا اک فتنۂ محشر پہ ہوں
میرے نالوں پر گُماں ہوتا ہے شورِ صُور کا

نالۂ و پیغام سے کرتا ہے پیدا سلسلہ
جو ہوا پابند احقرؔ عشق کے دستور کا

عجب حسن نامِ خدا ہے کسی کا
کہ خورشید بھی نقشِ پا ہے کسی کا

شہادت کے اقلیم کا ہے وہ سلطاں
جو مقتولِ تیغِ اَدا ہے کسی کا

کسی کے رُخ و زُلف پر دل ہے شیدا
مجھے دھیان صُبح و مسا ہے کسی کا

پریشاں مجھے دیکھ کر لوگ بولے
صد افسوس! یہ مبتلا ہے کسی کا

شہِ حسن کے عاشقوں میں ہے احقر
نہیں رُتبہ تیرے سوا ہے کسی کا

مجھ کو ہے عشق اُس صنمِ لاجواب کا
یوسفؑ بھی اک غلام ہے جس کی جناب کا

نکلا ہے خط جو مُصحفِ رخسارِ یار پر
شیرازہ بن گیا ہے خدا کی کتاب کا

خجلت سے پانی ہو کے بہا ابرِ رُوسیہ
دیکھو یہ رُعب ہے مری چشمِ پُرآب کا

سب عیش و جاہ چھوڑ کے ہر سُو پھرا خراب
تھا یہ تو کام تیرے ہی خانہ خراب کا

بیمار اے طبیب ہوں شیریں لبوں کا میں
میری دوا میں جزو رہے شہدِ ناب کا

مضموں لکھے ہیں اُس رُخِ تاباں کے وصف میں
خورشید اک ورق ہے ہماری کتاب کا

کیونکر سُخن کی اُس کے نہ ہو قدر دہر میں!
احقر نے پایا فیض فضیلت مآب کا

ہوا ہے شوق کس قاتل کو شمشیر آزمانے کا
کہ ہر دل میں اُٹھا ہے وَلولہ اب زخم کھانے کا

محبّت نے کچھ اُس سے بھی زیادہ رنگ دکھلائے
ورق پارینہ ہے فرہاد و مجنوں کے فسانے کا

بہت ایذا نہ دے اے آسماں ہم دل شکستوں کو
نہیں انجامِ کار اچھّا غریبوں کے ستانے کا

برنگِ لالہ داغِ دل اُٹھایا دیدِ عالم سے
ثمر حاصل ہوا ہم کو یہ اس گُلشن میں آنے کا

سرودِ مجلسِ جمشید سے آواز آتی تھی
غنیمت جان غافل، پھر نہیں یہ وقت پانے کا

غلط کہتے ہیں پروانوں کے جلنے کا اسے غم ہے
رُلاتا ہے تصوّر شمع کو محفل سے جانے کا

کوئی دیوانہ کہتا ہے، کوئی مجنوں مجھے احقر
نہ پُوچھ احوال تو مجھ سے مَلامت کے نشانے کا

فصلِ بہار آئی ہے گُلرنگ لا شراب
ابر و ہوائے سرد ہے ساقی پلا شراب

بیمار ہوں میں چشمِ خمارینِ یار کا
دینا طبیب مجھ کو بجائے دوا شراب

غیرت سے کس طرح نہ دل اپنا کباب ہو
پیتا ہے ساتھ غیر کے وہ بیوفا شراب

کُنجِ چمن ہے، یارِ گُل اندام و اُبر ہے
ساقی نہال کر مجھے لا دے ذرا شراب

احقرؔ ہوا ہے اُس لبِ میگوں کا جب سے عشق
ہے صُبح و شام اپنی یہی اک غذا شراب

اللہ نے ہر عضو بنایا ہے ترا خوب
یہ اُس سے سوا خوب ہے، وہ اس سے سوا خوب

وہ کون سی باقی ہے بُرائی، جو کروگے!
ہر بات میں کیا مجھ کو ڈراتے ہو بھلا خوب

چاہے سو کہے وہ بُتِ بے دین مرے حق میں
آگاہ ہے احوال سے بندہ کے خدا خوب

مَل دیکھئے ہاتھوں میں شہیدوں کے لہو کو
دیکھیں تو یہ خوشرنگ ہے، یا رنگِ حنا خوب

احسانِ اطبّا نہیں قسمت میں ہماری
جُز وصل نہیں دردِ جُدائی کی دوا خوب

روز ایک نیا داغ دیا عشق نے ہم کو
اس نخلِ محبّت سے ثمر ہم کو ملا خوب

کیا فکر ہے احقر تری، کیا ذہن و ذکا ہے!
جس نے بھی ترے شعر سُنے، اُس نے کہا خوب

ہوئے ہیں غیر اَب ہم صحبتِ دوست
میسّر کس طرح ہو خلوتِ دوست

رضا اپنی ہے جو اُس کی رضا ہے
سِتم بھی جانتا ہوں شفقتِ دوست

رُخِ روشن ہے خورشید قیامت
قیامت کا نمونہ قامتِ دوست

مشامِ جاں معطّر ہو گیا ہے!
نسیمِ صُبح لائی نکہتِ دوست

کیا رنجِ جُدائی سے سبکدوش
مرے سر پر ہے بارِ منّتِ دوست

نہ ہو تر دامن اُس کا خوں سے یارب
ہمارے قتل پر ہے نیّتِ دوست

رہے، یا جان جائے اس میں احقر
نہ ہو گی دل سے رخصت اُلفتِ دوست

محفل میں رشکِ ماہ کے جاؤں میں کس طرح
اختر سا داغ دل کا دکھاؤں میں کس طرح
ناطاقتی سے چل نہیں سکتا ہوں اک قدم
بارِ فراق سر پہ اُٹھاؤں میں کس طرح
بلبل چمن میں کہتی ہے گُل کے نہیں ہیں کان
حالِ شکستہ بال سُناؤں میں کس طرح
اختر صبا نہ چوم سکی جس کی گرد کو!
دامن کو اُس کے ہاتھ لگاؤں میں کس طرح

جو سبکدوش ہیں کرتے ہیں سفر پانی پر
ہوتا ہے پاؤں ہوا کا کبھی تر پانی پر
تیرتے دیکھا جو اُس مہ کو ہوا سب کو گماں
آسماں سے اُتر آیا ہے قمر پانی پر
آئے طُغیانی پہ گر اشک کا دریا اپنا
زورقِ چرخ بھی ہو زیر و زبر پانی پر
عنبریں زُلف کو دریا میں جو کھولا اُس نے
دیکھے لہراتے ہوئے مارِ دو سر پانی پر
اُس کے دل پر نہیں اخقرؔ اثرِ تیرِ فغاں!
کام کرتے ہیں کہیں تیغ و تبر پانی پر

گمانِ نیرِ تاباں ہے تیرے رُوئے روشن پر
صباحت سے بیاضِ صُبح کا عالم ہے گردن پر

چمن کی سَیر میں شوخی جو اُس گُلرو کو سُوجھی ہے!
کبھی گھُورا ہے نرگس کو، کبھی تھُوکا ہے سوسن پر

دکھاتے ہو کسے یہ شہسواری، یاد وہ دن ہے
عناں تھامے ہوئے پھرتے تھے ہم، تم پُشتِ توسن پر

ہمارے خوں کی رنگت شوخ ہے رنگِ رُخِ گُل سے
تماشائے چمن دکھلائے گی قاتل کے دامن پر

عصائے دستِ موسیٰ راستی میں قدِ موزوں ہے
کِسی کا سحر چل سکتا ہے کب اُس شوخِ پُرفن پر

یہ ساری دلفریبی رُوح کے باعث ہی اے احقر
پھنسانا دل نہ تصویرِ گِلی کے رنگ و رَوغن پر

ضعیفی میں نہ بولیں میرے تن کی ہڈیاں کیونکر
دم رخصت نہ ہوں احباب باہم نوحہ خواں کیونکر

نہیں گو بے نشاں وہ، پر ہو تخصیصِ نشاں کیونکر
عجب مشکل ہے کہدیں اُسکے گھر کو لامکاں کیونکر

نئے ناوک فگن ہیں دیکھئے لیتے ہیں جاں کیونکر
لگاتے تیر کیونکر، اور چڑھاتے ہیں کماں کیونکر

ترقی پر ہے سودا، جلوہ گر ہیں داغ فرقت کے
نہ ہو رونق پہ جنسِ عشق سے دل کی دُکاں کیونکر

نہ مارا دم کلیم اللہ نے بھی جس کے جلوے سے
بھلا کھولوں ثنا میں اُسکی میں اپنی زباں کیونکر

مجھے وہ ساتھ اپنے لے چلے ہیں آج گُلشن کو
خدا جانے گُل و بلبل کا لیں گے امتحاں کیونکر

حصولِ رزق کی خاطر دلا کوشش بھی لازم ہے
کہ چارہ ڈھونڈھ کر لاتی ہے مورِ ناتواں کیونکر
دمِ فکرِ سخن اک نقطۂ موہوم جب سمجھے!
لکھیں وصفِ دہن پھر شاعرانِ نکتہ داں کیونکر
کماں سے تیر کے چلنے میں ہو کس طرح سے وقفہ
گوارا پیر کی صحبت کرے کوئی جواں کیونکر
بہارِ نو دکھاتا ہے ترا دیوان اے احقرؔ
گلستانِ سخن میں ہو ترے دخلِ خزاں کیونکر

جوشِ وحشت سے جو گھبراتے ہیں ہم
پھاڑ کر کپڑے نکل جاتے ہیں ہم

بے وفا ہیں خوبرویانِ جہاں
دل لگا کر اُن سے پچھتاتے ہیں ہم

الفراق! اے جانِ شیریں الفراق!
دوست کو دشمن ترا پاتے ہیں ہم

آگے جاسکنے کی تو ہرگز نہیں
پیچھے پیچھے اے صبا آتے ہیں ہم

دیکھنا گُل کو کبھی، گہ سرو کو
دل کو ہر صورت سے بہلاتے ہیں ہم

خاطرِ نازک کہاں، یہ غم کہاں
شیشہ کو پتھر سے ٹکراتے ہیں ہم

نالہ کرتا ہوں تو ہمسائے مرے
غل مچاتے ہیں "چلے جاتے ہیں ہم"

کیجئے احقر بس اس گُلشن سے کوچ!
آتشِ گل سے جلے جاتے ہیں ہم

وار کس دن تیغ سے بیداد گر کرتا نہیں
کس گھڑی سینہ کو میں اپنے سپر کرتا نہیں

طبعِ عالی کو فروغِ ظاہری ہے ناگوار
شمع کو روشن میں اوجِ بام پر کرتا نہیں

خرّم و خنداں مثالِ برق رہتا ہوں مدام
ابرِ گریاں کی طرح میں چشم تر کرتا نہیں

دیدۂ مُشتاق دیدارِ جمالِ یار کو
کچھ تسلّی جلوۂ شمس و قمر کرتا نہیں

حُسن کی حیرت نے آئینہ بنایا ہے مجھے
حیف ہے تو حال پر میرے نظر کرتا نہیں

اُس بُتِ بے دیں کا دل اکدن کیا اُس نے نہ موم
نالہ اپنا سنگ میں شاید اثر کرتا نہیں

بے بقا نقش و نگارِ عالم اے اَحقر سمجھ!
کون سا گُل باغِ ہستی سے سفر کرتا نہیں!

حسد کا بلبلِ بیتاب سے مقام نہیں
بہارِ باغ کو اے باغباں قیام نہیں

قدم اُٹھایا کہ پامال ہوگیا عالم
روش تری روشِ کبکِ خوشخرام نہیں

کچھ اختیار نہیں عاشقی میں بیدردو
جگہ ہے رونے کی، ہنسنے کا یہ مقام نہیں

ہمیشہ رنگ پریدہ ہے نامہ بر اپنا
زبانِ نالہ پہ کس دن مرا پیام نہیں

میانِ یوسف و یار اس قدر تفاوت ہے
کہ زر خرید ہے وہ، اور یہ غلام نہیں

رُخِ صبیح زیادہ ہے صُبح سے روشن
سیاہ زُلف سے تیری سوادِ شام نہیں

درِ حبیب ہی کعبہ ہے اپنا اے اصغر
غرض حرم سے نہیں بتکدہ سے کام نہیں

تمھاری زلف کے چرچے پریشانوں میں رہتے ہیں
مری دیوانگی کے ذکر دیوانوں میں رہتے ہیں

نہیں پروائے ایماں کافرانِ عشق کو ہرگز
اُنھیں کعبہ سے کیا مطلب جو بُت خانوں میں رہتے ہیں

تلاش اُس رشکِ لیلیٰ کی جو رہتی ہے ہمیں ہردم
اسی سے قیس کے مانند ویرانوں میں رہتے ہیں

میانِ محفلِ احباب ہے وہ شمع کی صورت
ہم اُس سے لَو لگائے اُسکے پروانوں میں رہتے ہیں

فلک سے بڑھ کے رتبہ ہو نہ کیونکر قصرِ جاناں کا
ملائک جس جگہ ادنیٰ سے دربانوں میں رہتے ہیں

عجب ہے نیک صحبت کی نہ ہو تاثیر انساں میں
مہذب بنتے ہیں حیوان، جو انسانوں میں رہتے ہیں

نہ ہو مضمون عالی کیوں بھلا اشعارِ اختر میں
سخندانوں سے صحبت ہے، زباندانوں میں رہتے ہیں

طالب خدا سے عدل کے خواہاں کرم کے ہیں
مظلوم ہم بتوں کے جفا و ستم کے ہیں

اُمیدوارِ جاہ، نہ طالب حَشَم کے ہیں
ہم بادشاہ کشورِ عشقِ صنم کے ہیں

دُنیا سرا ہے، ہم ہیں مُسافر، ٹھہر گئے
مُلک بقا سے آئے ہیں، عازم عدم کے ہیں

دل بھی، جگر بھی، جان بھی، سینہ بھی عشق میں
یہ سب مکان صدمہ و دَرد و اَلَم کے ہیں

طالب ہیں گنجِ وصل کے اک سیمتن سے یہ
اختر تو آج پھیر میں گھری رقم کے ہیں

خواب میں گر شکلِ دلبر دیکھ لیں
جاگتا اپنا مقدّر دیکھ لیں
چھوڑ دو اے آئینہ رُو منھ پر نقاب
ہم ذرا سدِّ سکندر دیکھ لیں
صحت اُس سے پائینگے بیمارِ عشق
سُونگھ کر زُلفِ مُعنبر دیکھ لیں
بام پر دیکھیں جلالِ رُوئے یار
آفتابِ روزِ محشر دیکھ لیں
رُوئے روشن اُس کا کیا دیکھیں گے غیر
پہلے منھ آئینہ لیکر دیکھ لیں
شیخ جی شیخی نہ بھُولیں تو سہی!
جاکے اُس کافر کے در پر دیکھ لیں
لوگ نادانستہ کیوں کرتے ہیں عشق
پہلے کچھ قابو تو دل پر دیکھ لیں

چشمِ میگوں تیری جو گردش میں آئے
ہم بہارِ دورِ ساغر دیکھ لیں

ہم کو اور مجنوں کو اپنے عشق میں
دونوں پلّے وہ برابر دیکھ لیں

اُن سے جا کر کوئی کہدے میرا حال
گر اُنھیں یوں ہو نہ باور دیکھ لیں

دل ہی میں جلوہ بتوں کا گر نہیں
بتکدے میں جا کے پتّھر دیکھ لیں

کیا ملے گا آئے گا گر بعدِ مرگ
جیتے جی آ جا! اِستمگر دیکھ لیں

نامہ بر طائر سے بھی بیزار ہیں
پر جلا دیں، گر کبوتر دیکھ لیں

جوہریٔ عشق ہیں اختر بڑے
کاملانِ عشق جوہر دیکھ لیں

اگلی سی وہ بہارِ چمن کو بکو نہیں
جس رنگ پر تھا پہلے وہ اب لکھنؤ نہیں

آباد ہے تجھی سے سپنجی سرائے دہر
کب شش جہت میں جلوہ ترا چارسو نہیں

نازک بہت ہے حالت دامانِ زخمِ دل
یہ چاک وہ ہے جس میں مجالِ رفو نہیں

یادِ صنم میں ساری خدائی کی کب ہے قید
اے شیخ اس میں شرط نماز و وضو نہیں

ہیں گلرخانِ دہر میں سب خوبیاں، مگر
اُن میں وفا کا رنگ، مُروّت کی بو نہیں

مُطرب ہے، جامِ مے بھی، شبِ مہ ہے، باغ ہے
پر لُطف کیا ہے جب صنمِ ماہرو نہیں

عاشق وہ آپ ہو گئے اپنے جمال پر
کب آئینہ مقابلِ آئینہ رُو نہیں

اَحقر تری غزل میں یہ کیسی ہے سادگی!
تشبیہ و استعارہ نہیں ہے، غلو نہیں

اے جانِ حُسن، افسرِ خوباں تمھیں تو ہو
میں اک گدائے عشق ہوں، سُلطاں تمھیں تو ہو

پہونچی ہے آسماں پہ تجلّی جمال کی
کہتے ہیں لوگ مہرِ درخشاں تمھیں تو ہو

سچ سچ یہ کہہ رہا ہے تناسخ کا مسئلہ
رُوحِ عزیزِ یُوسفِ کنعاں تمھیں تو ہو

آگے تمھارے سرو ہے غیرت سے پا بگل
صحنِ چمن میں سروِ خراماں تمھیں تو ہو

ہر بات پر بگڑتے ہو رندوں سے شیخ جی
سارے جہاں میں ایک مُسلماں تمھیں تو ہو

دل میرا لیکے تم نے کھِلونا بنالیا
دُنیا میں ایک طفلکِ ناداں تمھیں تو ہو

باتوں میں سحر، چال میں محشر، نگہ میں قہر،
ثابت ہے ان سے فتنۂ دوراں تمھیں تو ہو

دل دیکے تم کو کیوں نہ کہوں مایۂ حیات
میرے جگر تمھیں ہو، مری جاں تمھیں تو ہو

مدّاح ہوں تمھارے نہ کس طرح حق پسند
اَحقر بتوں کے ایک ثنا خواں تمھیں تو ہو

ہوا ہے، ابر ہے، دل چاہتا ہے نقل و صہبا کو
خراماں کر اب اے ساقی! چمن میں جام و مینا کو

لبوں پر جان ہے، اب تو یہ حسرت بھی نکل جائے
کوئی لا دے مری بالیں پہ اُس رشکِ مسیحا کو

دلِ نالاں سے میرے بلبلِ بستاں کو کیا نسبت
کہاں تشبیہ دوں گُل سے تمھارے روئے زیبا کو

زباں ہے بلبلوں کی بند میرے دل کے نالوں سے
کیا شرمندہ عارض نے ترے گلہائے رعنا کو

ستم ہے چہرۂ رنگیں کو گلزارِ ارم کہنا
برابر قدِ جاناں کے سمجھنا نخلِ طوبیٰ کو

بھلا شیریں بیانی کا نہ ہو کیوں شور اے اختر
تری باتیں کریں گی بند طوطیٔ شکر خا کو

پردہ سے اگر وہ رُخِ زیبا نظر آئے
نادیدہ ان آنکھوں کا تماشا نظر آئے

جا کر ترے کوچہ سے کوئی لوٹ سکا ہے
قاصد کا بھی آئے تو جنازا نظر آئے

گردن کو تواضع سے جھکاتا ہو سرافراز
پستی میں تجھے عالمِ بالا نظر آئے

اے ابر اگر دیدۂ پُرآب کو کھولوں
نے کوہ نظر آئے، نہ صحرا نظر آئے

حیرت سے فراموش ہو عالم اُسے اپنا
نرگس کو جو وہ نرگسِ شہلا نظر آئے

طغیانی پہ آئیں جو مرے اشکِ مسلسل
بہتا ہوا اک نور کا دریا نظر آئے

نفرت ہے مجھے زیست سے مُشتاقِ اجل ہوں
منہ پھیر لوں گر رُوئے مسیحا نظر آئے

جاتا ہوں اس اُمید پہ میں سیرِ چمن کو
شاید ترے قد سا کوئی بُوٹا نظر آئے

گیسو کے جو مضمون میں دم فکر ہوں غلطاں
تشبیہ کی خاطر شبِ یلدا نظر آئے

اخترؔ میں اگر آہِ شرربار نہ روکوں!
گُلشن میں کوئی پھُول نہ پتّا نظر آئے

عشق میں جب اُٹھالیا کاسۂ غم کو ہاتھ سے
خاک پہ لے پٹک دیا ساغرِ جم کو ہاتھ سے

لوحِ جبیں کے نقش کو سمجھو مثالِ خطِّ سنگ
کون ہے جو مٹا سکے ایسی رقم کو ہاتھ سے

تھمتا نہیں ہے سیلِ اشک آنکھوں سے جب ہوا رواں
بند میں کس طرح کروں چشمۂ یم کو ہاتھ سے

ہمدم اگر ترا نہ ہو کوئی شبِ فراق میں
دیکھ نہ چھوڑ دیجیو زلفِ الم کو ہاتھ سے

بعدِ فنا یہ خاک بھی خاکِ درِ صنم ہوئی
میں وہ نہیں جو چھوڑ دوں اُسکے قدم کو ہاتھ سے

آپکے ہاتھ سے ملا، شاخِ نبات بن گیا
جانے نہ دینگے ہم کبھی کاسۂ سم کو ہاتھ سے

ماہ تھی ماہتاب تھی اخترِ خستہ تن کی رات
صبح کا رُو سیاہ کرو، کھویا صنم کو ہاتھ سے

سرسبز ہو اگر مرے اشکوں کے آب سے
تاباں ہو داغِ لالہ فزوں آفتاب سے

مستِ مئے الست ہیں رندانِ پاکباز
بیخود نہ ہو سکیں گے یہ جامِ شراب سے

بسمل کے رقص کو نہیں کچھ احتیاجِ ساز
بربط سے یاں غرض ہے نہ چنگ و رباب سے

زلفوں کو تیرے عنبرِ سارا لکھوں نہ میں
نسبت نہ تیرے خال کو دوں مُشکِ ناب سے

اخترؔ یہی خدا سے دُعا مانگتا ہوں میں
محفوظ رکھ تو کارِ بد و ناصواب سے

فریاد تو کرتا تری اس کم سخنی سے
خاموش ہوں احباب کی ہیں خندہ زنی سے

شیریں کی محبّت نے تھا فرہاد کو مارا
ورنہ نہیں مرتا ہے کوئی کوہ کنی سے

الماس کو نسبت نہیں دنداں کی صفا میں
خوش رنگ لبِ یار ہے لعلِ یمنی سے

گڑ دینے سے مرتا ہو تو زہر اُس کو نہ دیجے
عاشق کو کریں قتل تو شیریں دہنی سے

عنبر ترے گیسوئے سیاہ کو نہ لکھوں میں
تشبیہ نہ دوں خال کو مشکِ ختنی سے

اے حسن زباں ہے تری توصیف میں قاصر
معشوق کو کچھ عیب نہیں بے دہنی سے

دُنیا نے اُسے یونہیں کہیں کا نہیں رکھا
کیا فائدہ احقر کی تجھے دل شکنی سے

محبت ہے الٰہی مجھ کو کس محبوب قاتل کی
تڑپنے میں مری حالت ہے مرغِ نیم بسمل کی

شبِ تاریک بہتر ہے شبِ مہتاب ہجراں سے
نہ دکھلائے خدا بے یار صورت ماہِ کامل کی

ہمارا اشک کا دریا جو طغیانی پہ آ جائے
ہزاروں کوس تک دکھلائی دے صورت نہ ساحل کی

ہمیشہ حسرتِ دیدار سے تھی جان آنکھوں میں
ترے بیمار کی اللہ نے آسان مشکل کی

جمالِ یار سے اخترؔ کسی کو کچھ نہیں نسبت
اُڑی جاتی ہے رنگت آسماں پر ماہِ کامل کی

سامنے آنکھوں کے رُوئے لالہ گونِ یار ہے
اب ہمیں سیرِ گُل و گلزار کب درکار ہے

وصل و ہجراں شادی و غم کو جُدا دیکھا نہیں
پاس گنجینہ کے مار، اور ساتھ گُل کے خار ہے

آرزو ہم کو نہیں سیرِ گُل و گلزار کی
سینۂ پُر داغ اپنا تختۂ گلزار ہے

طرّۂ گُل کا کہاں اُس نازنیں کو ہے دماغ
سُنبلیں طرّہ ہی اُس کو نازکی سے بار ہے

اپنے زُلف و رُخ سے آحقرؔ کرلیا سب کو مطیع
اس میں کوئی سخت کافر ہے کوئی دیندار ہے

مزہ لیتا جو بوسہ کا لبِ جاں بخش خوباں سے
نہ کرتا خضر لب اپنے کبھی تر آبِ حیواں سے

گہر کی آبداری ہے ہر اک آنسو کے قطرہ میں
ہماری چشمِ تر کچھ کم نہیں ہے ابرِ نیساں سے

خطا ہو مجھ سے جو میں خالِ مشکیں کو کہوں نافہ
تری آنکھوں کو گر تشبیہ دوں چشمِ غزالاں سے

ہماری دیدۂ مشتاق کو روشن کیا اُس نے
کہیں بہتر ہے تیری خاکِ در کُحلِ صفاہاں سے

یہ رازِ عشق افشا ہو گیا آنسو نکلنے سے
نہیں اچھّا ہے کہنا رازِ دل کا طفلِ ناداں سے

نہ آیا ایک دن بھی صرف میں یہ اپنے زخموں کے
گلہ باقی رہے گا حشر تک ہم کو نمکداں سے

غمِ اُلفت کو بھی محبوب اے اَحقرؔ سمجھتا ہوں
مجھے خوابِ پریشاں کم نہیں زلفِ پریشاں سے

عشق پیدا جو ہوا دل کو کسی گیسو سے
ناتوانی نے کیا مجھ کو برابر مُو سے

ناتواں اپنی طرح سے میں اُسے پاتا ہوں
عشق رکھتا ہے ہلال اُسکی مگر ابرو سے

دیکھ کر نبض مری رو کے مسیحا نے کہا
اس کو صحت نہیں ہونے کی کسی دارو سے

شجرِ طور ہے وہ اور یہ نہالِ بے بر
سرو کو دیجئے نسبت نہ قدِ دلجو سے

لشکرِ غم کی ہوئی آمدِ دلبر سے شکست
فوجِ عشرت نے مجھے گھیر لیا ہر سو سے

جیسے شمشیر سے اے شوخ ہو جوہر ظاہر
زور ہوتا ہے نمودار مرے بازو سے

چھوڑ کر گُل کو کرے خار سے اُلفت بُلبُل!
ہووے اخقر جو مرے یار کی آگہ خو سے

آسماں پر ہے دماغ اُس کا خود آرائی کے ساتھ
ماہ کو تولے گا شاید اپنی رعنائی کے ساتھ

سیر کر عالم کی غافل، دیدنی ہے یہ طلسم
لُطف ہے ان دونوں آنکھوں کا تو بینائی کے ساتھ

دل کہیں ہے، جاں کہیں ہے، میں کہیں آنکھیں کہیں!
دوستی اچھی نہیں محبوب ہرجائی کے ساتھ

اِس میں ذکرِ یار ہے اُس میں خیالِ یار ہے
اپنی خاموشی بھی ہم پلّہ ہے گویائی کے ساتھ

عہدِ پیری میں وہ عالم نوجوانی کا کہاں
ولولے جاتے رہے سارے توانائی کے ساتھ

دیدۂ آہو کہاں، وہ انکھڑیاں کالی کہاں!
کیا مقابل کیجیے شہری کو صحرائی کے ساتھ

دل نہیں گر گرِ بغل ہے ضبط سے خوں کر اُسے
کارِ دشمن کرتے ہیں اے دوست دانائی کے ساتھ

ایک بوسہ پر گریباں گیر اے ناداں نہ ہو!
تیری رسوائی بھی ہے عاشق کی رسوائی کے ساتھ

دل تو دیوانہ ہے اخترؔ تو بھی دیوانہ نہ ہو
کوئی سودائی بنا کرتا ہے سودائی کے ساتھ

طفلی سے ہم کو عشق ہے چشمِ صنم کے ساتھ
دل کو ہے اپنے لاگ غزالِ حرم کے ساتھ

برہم نہ کر تو سلسلۂ زُلف اے صبا
وابستہ دل ہیں اس میں ہر اک پیچ وخم کے ساتھ

شکرِ وصال وشکوۂ ہجراں میں کیا کروں
خوکردہ اپنا دل ہے نشاط والم کے ساتھ

افلاس اُن کے واسطے ہوتا ہے گھن کی چوٹ
دل اپنا جو لگاتے ہیں نقشِ درم کے ساتھ

لیلی وشوں کے عشق میں مجنوں سا ہے خراب
وہ دل پلا ہوا تھا جو ناز ونعم کے ساتھ

اب تو ہے دستِ بُردِ خزاں سے چمن اُجاڑ
اے گُل بہارِ باغ تھی تیرے قدم کے ساتھ

اخگرؔ نے عشق چھوڑا بتوں کا اب اے خدا
اس کا گذارہ ہے ترے فضل وکرم کے ساتھ

ہر طرف گردِ کدورت جو ذرا ہوتی ہے
خوب ہی آئینۂ دل کی جلا ہوتی ہے

کس زباں سے ہو ادا شکر ترا اے مالک
درگذر کرتا ہے تو، مجھ سے خطا ہوتی ہے

دیکھ کر شکل مری کہتا ہے وہ رشکِ مسیح
ایسے بیمار کو مشکل سے شفا ہوتی ہے

ہے عجب آئنہ عاشق کا دلِ مضطر بھی
دمبدم شکل تری جلوہ نما ہوتی ہے

باتوں باتوں میں نہ کیوں طالبِ دیدار ہوں غش
اُن کی ہر ایک ادا ہوش رُبا ہوتی ہے

ہم سے دیوانوں کو ایذا بھی ہے راحت سے سوا
سیرِ صحرائے جنوں برہنہ پا ہوتی ہے

قدرِ نعمت ہے مگر بعدِ زوال اے اخگر
قدر عاشق کی اُنھیں بعد فنا ہوتی ہے

زندگی ہجر میں کیا خاک بسر ہوتی ہے
ہر گھڑی حالتِ دل نوعِ دگر ہوتی ہے

گئی غفلت میں جوانی، ہے نمودِ پیری
رات بھر سوئے، اُٹھو، اب تو سحر ہوتی ہے

کوچ دنیا سے ہو اک دن، نہیں ممکن ہو قیام
پر کہاں بے خبروں کو یہ خبر ہوتی ہے

خنجر اَبروئے قاتل کی جب آتی ہو یاد
بہر عاشق سببِ زخم جگر ہوتی ہے

لبِ شیریں کا کروں وصف میں کیسے احقر
ایسی میٹھی نہ تو مصری، نہ شکر ہوتی ہے

خدا کو دل میں ہم دیکھیں گے کوہِ طُور کے بدلے
اُسے قربت میں ڈھونڈھینگے مقامِ دُور کے بدلے

شبِ فرقت کی تاریکی سے گھبرا کر میں کہتا ہوں
الٰہی! روزِ روشن دے شبِ دیجور کے بدلے

تشفی کے عوض گھائل دلِ سوزاں کیا اُس نے
لگایا زہرِ قاتل مرہم کافور کے بدلے

نہ ہو بڑھ کر تو کچھ ہو سازِ شہرت ساتھ عاشق کے
بگل کے بدلے نے ہو، اور دہل طنبور کے بدلے

گدائے عشق ہے احقرؔ، اُسے کیا فکر جامہ کی!
ہے تن پر خاکِ صحرا، جامۂ سیفور کے بدلے

موافق کب ہے یہ اہلِ زمن سے
نئے غم ملتے ہیں چرخِ کہن سے

ہوا ہوں عاشقِ رفتارِ جاناں
میں خود بدنام ہوں اپنے چلن سے

یقیں ہے گر وہ آئیں بعدِ مُردن
نکالوں دیکھنے کو سر، کفن سے

تپِ ہجراں نے اس درجہ جلایا
نکلتے ہیں شرر ہر موئے تن سے

نکالوں گا نہ اب میں منھ سے کچھ بھی
جو وہ آزردہ ہیں میرے سخن سے

طراوت سیب میں ایسی کہاں ہے
کہ دوں تشبیہ میں اُسکی ذقن سے

تو احقرؔ عشق میں شیریں لبوں کے
کئی درجہ بڑھا ہے کوہکن سے

ہیں کہاں شیخ، سُنیں ہم تو نصیحت اُنکی
آج ہوتی ہے سرِ بزم فضیحت اُنکی

مجھ سے مشتاقِ شہادت کی بر آئے اُمید
کھینچنے دے جو اُنھیں تیغ نزاکت اُنکی

اہلِ علم، اہلِ دُوَل سے نہیں رہتے ہیں کم
مال فانی سے کہیں بیش ہے دولت اُنکی

ہے حسینوں کو پسِ مرگ بھی عشّاق سے کد
راہ چلتے ہوئے ٹھکراتے ہیں تربت اُنکی

اُن سے قاصد نے کہا جاکے جو حالِ احقر
بولے ہم کیا کریں ایسی ہی تھی قسمت اُنکی

دکھاتے ہیں ادا کچھ بھی تو آفت آ ہی جاتی ہے
سنبھل کر لاکھ چلتے ہیں قیامت آ ہی جاتی ہے

محبّت میں ہیں صبر و شکر کے ہر چند ہم قائل
مگر کچھ کچھ کبھی لب پر شکایت آ ہی جاتی ہے

جو سچ پوچھو تو ہیں عاشق بھی پیرو نازنینوں کے
بدن میں ناتوانی سے نزاکت آ ہی جاتی ہے

مجاز اک پردۂ ادراک ہے تو چشمِ بینا کو
کسی صورت نظر شکلِ حقیقت آ ہی جاتی ہے

نہیں جذبِ دلِ عاشق سے ہے معشوق کو چارہ
اگر بیدرد بھی ہو تو محبّت آ ہی جاتی ہے

بتانِ سیمتن کے وصل سے ہم فیض پاتے ہیں
وہ آتے ہیں تو اپنے گھر میں دولت آ ہی جاتی ہے

ترے اشعارِ رنگیں سے بھلا فرحت نہ ہو اَحقرؔ
کہ ان پھولوں سے خوشبوئے فصاحت آ ہی جاتی ہے

ہر زباں پر ہے گفتگو تیری
ہے ہر اک دل میں آرزو تیری

مہر و مہ دونوں تجھ سے ششدر ہیں
یہ تجلّی ہے چار سو تیری

مے سے اے شیخ گر طہارت کر
آبرو ہو درم وضو تیری

زلفِ سُنبل ہے، اور کمر رگِ گُل
ہے یہ تعریف مو بمو تیری

گُل نہ پھُولیں سمائے جامہ میں
گر صبا سے وہ پائیں بو تیری

لائی آہو کو دام میں گویا
آنکھ پر زلفِ مشکبو تیری

دُرِ دنداں پہ تو فدا اختر
چشمِ گریاں ہے آبرو تیری

جو مشہورِ جہاں ہندوستاں ہے
وہی سجدہ گہِ شاہنشہاں ہے
نفاقِ باہمی کا ہے یہ حاصل
اسیرِ طوق و زنجیرِ گراں ہے
نہ چھیڑو گفتگوئے جام و ساغر
گراں ذکرِ مے و پیرِ مغاں ہے
وصال و ہجر کے قصّے کہاں تک
خلافِ وضع و رفتارِ زماں ہے
کرو سیرِ بہارِ حُبِّ قومی
کہ باغِ عاشقی کی اب خزاں ہے
فلاکت ہے مآلِ سُست طبعی
عبث بدنام دورِ آسماں ہے

نہ سمجھا کوئی رازِ زندگانی
معمّا ہے مگر، یا چیستاں ہے

تعلّق رُوح کا لاہوت سے ہے
یہ قطرہ جزوِ بحرِ بیکراں ہے

قیود و بند سے آزاد ہے دل
مرا مسکن دیارِ لامکاں ہے

ہے مُہرِ وضعداری میرے لب پر
ہم آغوشِ سکوت اپنا بیاں ہے

مری صورت ہے خود آئینۂ دل
وہی غمّاز ہے جو رازداں ہے

نہیں پرِّ ہُما کی ہم کو پروا
ظلالِ رحمتِ حق سایہ باں ہے

اَدب سے پانؤں گورستان میں رکھو
نہ سمجھو خاک یہ مغزِ شہاں ہے

دلِ مُردہ میں ڈالے جانِ تازہ
یہی وہ اخترِ مُعجز بیاں ہے

ہے رگ و ریشۂ گلبن میں لطافت تیری
برگ میں رنگ ترا، پھول میں نکہت تیری
بندہ سمجھا ہی نہیں کُنہ ترے اے مختار
کس طرح ہو سکے مجبور سے مدحت تیری
دشت و دریا و جبل میں خرد خُردہ شناس
حیرتِ سخت میں ہے دیکھ کے صنعت تیری
ایک وقت ایک ہی تھے حیف اب اے بحرِ عظیم!
شاق ہے قطرۂ ناچیز کو فرقت تیری
یادِ عصیاں میں بہا چشم سے اشکِ خونیں
سرخرو تجھ کو کرے گی یہ ندامت تیری
دیکھے جانباز بہت عشق میں اے پروانہ
بخدا قابلِ توصیف ہے ہمّت تیری

بے حضورِ دل صادق ہے دکھانے کیلئے
قابلِ قدر نہیں ہوگی یہ طاعت تیری
رات دن کس لئے مصروف تو رہتا ہے حریص!
قبر میں ساتھ نہیں جائے گی دولت تیری
تو نے مضمونِ مجازی نہیں باندھے اخترؔ
کیوں نہ مقبولِ خلائق ہو حقیقت تیری

ہوتے کسی بندش میں نہیں اہلِ صفا بند
کوزہ میں نہ دریا ہو، نہ مُٹھّی میں ہوا بند

رستہ خط وپیغام کا اُسنے جو کیا بند
عنقا ہے کبوتر مرا، اور بادِ صبا بند

دل خانۂ دلدار کا کرتا ہے اشارہ
کعبہ کے بتانے میں نہیں قبلہ نما بند

دے بوسۂ عنّاب لب وسیب زنخداں
بیمارِ محبّت ہوں نہ کر میری دوا بند

منّت سے کہا اِسقدر، اے ترک نہ کر قتل!
بولا، کہ نہیں ہوتے ہیں احکامِ قضا بند

پھل دیتے ہیں پتھّر کو بھی اشجارِ بردمند
کرتے نہیں ہرگز درِ فیض اہلِ سخا بند

اللہ کھُلا رکھتا ہے ہر دم درِ ایجاب
کس واسطے احقر ہے ترا دستِ دُعا بند

منظومات

"چرچل کو رہِ راست پہ آنا ہی پڑے گا"

چرچل کو رہِ راست پہ آنا ہی پڑے گا
وہ طرزِ کہن اُس کو بھلانا ہی پڑے گا

الفاظ سے اُسکے جگر و سینہ ہیں مجروح
مرہم اُسے زخموں پہ لگانا ہی پڑے گا

ہے تلخ نوائی کے لئے دہر میں بدنام
اِس تلخ نوائی کو بھلانا ہی پڑے گا

دلجوئی نہ کی ہند کی اُسنے، مگر آخر
رُوٹھے ہوئے ہندی کو منانا ہی پڑے گا

کتنا ہی کرے محو، مگر مٹ نہیں سکتا
وہ کانگرسی نقش جمانا ہی پڑے گا

ہوں قید میں گاندھی، کہ اسیری میں ہوں نہرو
اِن دونوں کو زنداں سے بُلانا ہی پڑے گا
پھر ہوں گی وہی آشتی و صُلح کی باتیں
پھر منزلِ گم گشتہ پہ آنا ہی پڑے گا
انگریز ابھی خوابِ تغافل میں ہے بیہوش
اس خوابِ گراں سے تو جگانا ہی پڑے گا
کب تک یہ تکبّر، یہ رعونت، یہ خدائی
اک روز انھیں سر کو جھکانا ہی پڑے گا

۱۹۴۲ء

نئے شاعروں سے شکوہ

(ایک پُرانے شاعر کی زبانی)

نیا مضموں، نیا طرزِ سخن ایجاد کرتے ہیں
نئے شاعر اب اک دنیا نئی آباد کرتے ہیں
نئی بندش، نئے الفاظ و ترکیبیں نئی بالکل
قوافی اور اوزانِ جدید ایراد کرتے ہیں
نئی مے، اور نیا ساغر، نیا پیرِ مغاں بھی ہے
نرالے رنگ سے میخوار کا دل شاد کرتے ہیں

پُرانے وضع و آئین سے ہوئے ہیں اتنے سرگشتہ
کہ خوں طرزِ سخن کا صورتِ جلّاد کرتے ہیں

کہاں آتا ہے یاد اُن کو رُخِ زیبا، قدِ رعنا
یہ کب بھولے سے بھی ذکرِ گُل و شمشاد کرتے ہیں

نہیں ہے گردشِ گردونِ گرداں کا کبھی شکوہ
نہ جور و ظلمِ دلبر سے کبھی فریاد کرتے ہیں

نہ لکھے حیلۂ خسرو کبھی شیریں بیانی سے
نہ ذکرِ جوئے شیر و تیشۂ فرہاد کرتے ہیں

نئے مضموں پہ شیدا نوجواں رہتے ہیں اِن روزوں
نہ مجنوں کی، نہ دشتِ نجد کی کچھ یاد کرتے ہیں

ہوئے ہیں تنگ ذکرِ بلبل و طوطی و قمری سے
نئے طائر قفس میں قید یہ صیّاد کرتے ہیں

چھپا کر آستیں میں چند جلوے اہلِ یورپ کے
یہ موجد ہونے کا دعوائے بے بنیاد کرتے ہیں

بھلا یا ذوق و غالبؔ کو، ہوئے شبلیؔ کے شیدائی
بتانِ نَو سے بیتُ اللہ کو آباد کرتے ہیں

نہیں ممکن کہ سرقہ سے مرتّب ہو کبھی دیواں
کہیں چوری سے گنجِ شائگاں آباد کرتے ہیں
نہیں کرتے نظر اُستاد غیروں کے مضامیں پر
کہیں زلّہ ربائی مردمانِ راد کرتے ہیں
نہ اِن کی دلگدازی ہے، نہ اُنکی لالہ کاری ہے
یہ کیسی پیرویِ حالؔی و آزاؔد کرتے ہیں
نہ ہو الہام جبتک کیا اثر ہو شعر کا دل پر
حقیقت ہے یہی احقؔر جو ہم ارشاد کرتے ہیں

نظم

(عدالت کی پریشانی و رشوت سے مُتأثر ہو کر)

آئیے بندہ نوازا، نظرِ لُطف اِدھر
ہم سے کچھ حالِ پریشانیِ دوراں کہئے

بولا اشفاق سے اے مشفقِ بندہ پرور
کس طرح حالِ پریشانیِ گیہاں کہئے

حاکمِ وقت نہیں پیشروِ مسلکِ عدل
خضر ہرگز یہ نہیں، غولِ بیاباں کہئے

اہلکارانِ عدالت بھی نہیں پیروِ حکم
ان کو خود غرضی کا بس تابعِ فرماں کہئے

بدرِ کامل کے مشابہ جو ہیں حکّامِ زماں
بے شک و شبہ پھر انصاف کو کتّاں کہئے

اسکے ہر نوش کو بھی جانیئے مترادفِ نیش
اسکے ہر پھول کو بھی خارِ مغیلاں کہئے

اس کا تریاق نہیں زہرِ ہلاہل سے کم
اسکے اِمرت میں نہاں موت کا ساماں کہئے

نور کو اسکے سمجھ لیجئے نارِ دوزخ
اسکے برفاب کو بھی آتشِ سوزاں کہئے

اس کی تعمیر میں مضمر ہے خرابی کی شکل
اسکے احکام کو ہم صورتِ حرماں کہئے

یاس و نومیدی سے ہے فتح و ظفر جیب و بغل
بیم و اُمید کو یاں دست و گریباں کہئے

صفحۂ حکم کو گر مانئے انوارِ سحر
حُکم کو تیرگیِ شامِ غریباں کہئے

جبکہ مجروح کے ہوں زخم یہاں دامندار
کیوں نہ مرہم کے عوض اس کو نمکداں کہئے
کذب کی لوح یہاں ہے، تو ریا کا ہے قلم
بہرِ تعلیمِ دغا اس کو دبستاں کہئے
کیوں اسے صومعۂ فاسق و مکّار کہیں
کیوں اسے سجدہ گہ عابدِ شیطاں کہئے
اسکے میدان و احاطہ کو حرم کیجے فرض
اور اسے کعبۂ ایمان فروشاں کہئے

نظم

(برادری میں دوبارہ ناچ کی ترویج پر)

رقص والے سے چشم و گوش اب آشنا ہونے کو ہیں
ماہ و انجم بزم میں پھر رُونما ہونے کو ہیں
منحصر عصمت فروشوں پر ہے رونق بزم کی
قوم میں وہ درس آموز حیا ہونے کو ہیں
خلق و تہذیب و شرافت اور آئین اَدب
حُسنِ بازاری پہ یہ جوہر فدا ہونے کو ہیں
جو رہے گم گشتۂ چاہِ ضلالت عمر بھر
اب ہماری قوم کے وہ رہنما ہونے کو ہیں

مخربِ اخلاقِ قومی، دشمنِ اطوارِ نیک
کیا یہی ابلیس سیرت اب خدا ہونے کو ہیں

ہوشیار اے دوستو! آیا ہے دورِ انحطاط
گردشِ افلاک میں ہم مبتلا ہونے کو ہیں

پھر وہی رقص و سرود، اور سلسلہ وہ چھوٹ کا
منچلے افراد قومی پیشوا ہونے کو ہیں

قوم کے معصوم بچّوں کا نہیں کچھ بھی خیال
نونہال اب بادِ صرصر سے فنا ہونے کو ہیں

مہ جبینوں کی یہ چشمِ فتنہ زا کا ہے اثر
فتنۂ خوابیدہ پھر حشر آزما ہونے کو ہیں

بزم میں ہے گر یہی جوشِ جنوں، تو دیکھنا
قوم میں پھر بھائی سے بھائی جُدا ہونے کو ہیں

"خوردن برائے زیستن"

متھرا کے ایک چوبے ہوئے یوں شکر فشاں
جمنا کی جے ہو آج کھلاؤ ہمیں ضرور
ججمان جس قدر تھے سبھوں نے دیا جواب
طالع کی دیکھو شومی و تقدیر کا قصور
ہے آپ ہی پہ صرف ہمارا اب انحصار
ہم آپ ہی کے لُطف کے ہیں منتظر حضور
دستِ نوال فیض رساں مثل بحر ہے
اتنا نہیں کسی کو سخاوت پہ ہے عبور
ہم پر بھی آج لُطف و کرم کی نگاہ ہو
سب کے لئے تو روز سخاوت کا ہے وفور
دو چیز ہم کو چاہئے شیرینی اور بھنگ
وہ قوتِ جسم اگر ہے، تو یہ باعثِ سُرور

پیشہ نہیں ہے کوئی ہمارا نہ روزگار
ججمان ہی کے جود و سخا پر ہے دل صبور
کھائیں گے اور آپ کی جے جے منائیں گے
شہرت کریں گے آپ کی عالم میں دُور دُور
القصّہ خشمگیں میں ہوا اور کیا خطاب
مانند خر، خرد سے تو عاری ہے بے شعور
دنیا کی تجھ کو فکر، نہ پروائے دین ہے
بیشک ترے دماغ میں آیا ہے کچھ فتور
رہتی ہے تیری آتش جُوع التہاب میں
"ہل من مّزید" کہتا ہے ہر دم ترا تنور
بے بہرہ تو رہا ہے عُلوم و فنون سے
تاریکیِ دماغ میں پہونچا کبھی نہ نور
بارے خدا کے ذکر میں مشغول ہو کبھی
ہو وے جلالِ باری کا دل میں ترے ظہور

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است
تو معتقد کہ زیستن از بہرِ خوردن است

نظم

(ہندو مُسلم فرقہ وارانہ فساد پر)

حق نے بخشی تھی ملائک پہ فضیلت کیسی
ہائے اعمال سے اپنے ہوئی ذلّت کیسی
ایک ہی نسل سے آدمؑ کے ہیں پیدا دونوں
پھر وہی ہم ہیں وہی تم ہو عداوت کیسی
کیجئے بھائیوں سے کمک مُمی کا سُلوک
وہ کہیں دمک دمیؔ تو ہوا اُلفت کیسی
رُوح کو رکھتے ہو ناپاک گناہوں سے مُدام
حق تعالیٰ کی امانت میں خیانت کیسی

پارسا بن کے یہ دشنام و تبرّا کیسا
دعویٰ زہد پہ صاحب یہ سفاہت کیسی
کسی دشمن سے مقابل ہو اگر ہمّت ہے
باہمی جنگ میں ہیہات شجاعت کیسی
نصِّ نبوی میں ہے آزار گنہ میں داخل
ذبح حیوان میں افسوس قساوت کیسی
سُورۂ بقر میں کیا لکھے ہیں وصفِ نرگاؤ
اُس کی تاویل سے پہنچی ہے مُضرّت کیسی
بھائی انصاف سے کہنا تمھیں اللہ کی قسم
پیشتر کیسی تھی، اور اَب ہے زراعت کیسی
کس کے افعالِ زبوں کا ہے نتیجہ کہ ہوئی
روغنِ زرد کی، اور دُودھ کی قلّت کیسی

مسلمانانِ لکھنؤ سے خطاب

(بارہ وفات پر شیعہ و سنّی تصادم سے متاثر ہو کر)

سچ بتا اے بانیٔ ہنگامۂ شرّ و فساد
شیعہ و سنّی میں کیوں ہے اس قدر مہلک عناد
کیوں غبارِ فتنۂ اشرار میں گم ہو گیا
ایک ہی اُمّت کے لوگوں میں تصادم ہو گیا
دیکھ! دھندلی پڑ گئی اسلام کی تابندگی
کس کے مذہب نے سکھائی ہے یہ طرزِ زندگی
کیا رواداری اسے کہتے ہیں تیرے دین میں
ہے یہی طرزِ وفاداری ترے آئین میں

بے گناہوں کے ٹھکانے نذرِ آتش ہو گئے
چاند سے معصوم چہرے صرفِ کاہش ہو گئے
نوجوانوں اور ضعیفوں کو کیا یکساں ہلاک
نونہالانِ چمن کتنے ہوئے ہیں رزقِ خاک
کھا گئی کتنے گلوں کو بد نظر صیّاد کی
خون میں ڈوبی ہوئی موجیں اُٹھیں فریاد کی
سازشیں کی تھیں اجل نے خنجرِ مرّیخ سے
آسماں تھرّا اُٹھا مظلومیت کی چیخ سے
بانیِ شر و فساد، اے ننگِ دینِ مصطفےٰ
تیرے ہاتھوں مٹ رہا ہے دہر سے نقشِ وفا
آستینوں سے ٹپکتا ہے تری کس کا لہو
کس عبادت کے لئے تو نے کیا ہے یہ وضو
کس طرح روزِ قیامت جائے گا پیشِ خدا
عذر خواہی کیا کرے گا پیشِ آں ربُّ العُلیٰ
ناز کرتا ہے تو اپنے علم اور تہذیب پر
اور جتاتا ہے کہ تیری ذات ہے فخرِ بشر

تشنۂ خونِ برادر کیوں ہوا اے بدنژاد

بھائی کا بھائی گلا کاٹے یہ ہے کیسا جہاد

گر نمازِ پنجگانہ عمر بھر پڑھتا رہا

تو نے سب روزے رکھے اور حجّ بھی تو نے کیا

پر نہیں کچھ بھی ثوابِ حج اور صوم وصلوٰۃ

تیری ایذا سے اگر شاکی ہے کوئی ذی حیات

تیغِ مسلم تھی برائے حفظِ ننگ و جان ومال

یا برائے قتلِ بے جرمانِ بیکس خستہ حال

تیغِ مسلم ہے برائے دشمنانِ ملکِ ہند

یا برائے مسلمین و ساکنانِ ملکِ ہند

تیغ لیکر تو نکل مردِ مجاہد ہے اگر

ہو علیؓ کا نام لب پر اور بن سینہ سپر

توڑ زنجیرِ غلامی، قید سے آزاد کر

ورنہ تُف ہے دین پر، لعنت ترے ایمان پر

سنہ ۱۹۳۸ء

قطعہ

ہر اک صورت سے نورِ حق تعالیٰ آشکارا ہے
ہے رشک افزائے کوہِ طور یہ ہندوستاں میرا
مسخر کر لیا غیروں کو بھی اخلاق سے اپنے
عدوئے جانستاں تک ہو گیا ہے مہرباں میرا
ہجومِ معصیت لیکر گیا عزمِ سفر میں نے
رواں سوئے سقر با کرّ و فر ہے کارواں میرا
وفاداریِ قومی دل سے ہرگز جا نہیں سکتی
کریں از راہِ ظلم و جبر ہر چند امتحاں میرا
نہ کر تحقیر اُس کی اے فلک تھا اک زمانے میں
سلاطینِ جہاں کا سجدہ گہ ہندوستاں میرا

یہ سوز و دردِ آزادی متاعِ بے بہا میری
یہی تاب و تواں میری یہی رُوحِ رواں میرا
مگر بارِ غم و اندوہ ہے برداشت کے قابل
دلالت کرتا ہے اس امر پر اشکِ رواں میرا
کروں میں ضبطِ رنج و غم یہ غیرت کا تقاضہ ہے
نہ ہو احباب پر بھی منکشف دردِ نہاں میرا
عداوت اس کو کہتے ہیں پسِ مردن بھی دنیا میں
نہ کوئی ماتمی میرا، نہ کوئی نوحہ خواں میرا
سرود و نغمہ و گلشن نہیں بھاتا ہے ماتم میں
ہے الحانِ عنادل شورِ صورِ جانستاں میرا
نہ ذکرِ قیس اور لیلیٰ، نہ وصفِ وامق و عذرا
پُرانے طرز کا شاعر ہو کیونکر قدرداں میرا

مُسدّس

(دَر صفتِ قلم)

کیونکر نہ ہوں میں وصفِ قلم میں گہر فشاں
ہے آج میری طبعِ رواں بحرِ بیکراں
غوّاصِ فکر غوطہ زن اس میں ہے ہر زماں
لاتا ہے آبدار دُرِ معنیِ نہاں
ہر سطر موج دائرہ ہر اک حباب ہے
صفحہ مری بیاض کا اب سطحِ آب ہے

شیریں لبوں کے عشق میں ہر صُبح و ہر مسا
لاتا ہے جوئے شیر مضامینِ باصفا
لب شکریں ہیں اور دہن چشمۂ بقا
رشحہ میں لُطف کوثر و تسنیم سے سوا
شیریں ہے بڑھ کے قند سے اسکی جو بات ہے
خامہ نہیں ہے اصل میں شاخِ نبات ہے

سُرعت میں ہو سکا نہ قلم کا کوئی نظیر
اَبر و ہوا و صاعقہ و برق شعلہ گیر
یہ وصفِ تیغ تو نہیں خامہ کا ہے خمیر
"گیتی نورد بادیہ پیما فلک مسیر"
اک لمحہ میں یہ جائے سمک سے سما تلک
لائے وہاں سے عقدِ ثریّا ثریٰ تلک

کرتا ہے سیرِ عالمِ لاہوت سر بسر
بے نردبان کے چڑھتا ہے کُرسی و عرش پر
اَوج و حضیض دونوں جگہ اس کا ہے گُذر
بالائے چرخ و قعرِ زمیں کی یہ دے خبر
سدرہ جو جبرئیل امیںؑ کو تھا سدّ راہ
پہونچا یہ اُسکے آگے بصد شان و عزّ و جاہ

خامہ نہیں، قلم یہ نہالِ سخن کی ہے
ریشہ نہیں، یہ زُلف بُتِ سیمتن کی ہے
رشحہ نہیں، سیاہی یہ مشکِ ختن کی ہے
مضموں میں چاشنی لبِ شیریں دہن کی ہے
رفتار میں ہے ناقۂ سرمست کی ادا
آواز ہے صریر کی، یا نغمۂ حدیٰ

روشن اسی سے شیکسپیر کا ہے آج نام
ہومر کو بھی اسی سے ملی شہرتِ دوام
مشہور بالمیک کا اس نے کیا کلام
سعدی کو موعظت میں دیا رتبۂ امام

قائم رہے گا نام لبید و حریر کا
دائم رہے گا ذکر انیس و دبیر کا

قرآن پاک گو کہ کلامِ ودود ہے
لیکن اسی کی ذات سے اس کا وجود ہے
یہ حافظ حدیث و دعا و درود ہے
خود لوح کی اسی کی بدولت نمود ہے

جس سے لکھا خدا نے وہ قدرت کا تھا قلم
جس سے لکھا ملک نے وہ ندرت کا تھا قلم

جو شان ہے قلم میں، وہ تلوار میں کہاں
یہ آن ذوالفقارِ شرربار میں کہاں
یہ تاب کربلا کے سپہدار میں کہاں
قوت یہ دستِ حیدرؓ کرار میں کہاں

عالم کے واسطے یہ جوانی میں تیغ ہے
پیری میں اُسکے حق میں عصا بیدریغ ہے

ہم شکلِ کلک ہونے سے انگشتِ پاک ہے
شق القمر دکھایا جنابِ رسولؐ نے
اعجاز عیسویؑ و عصائے کلیمؑ کے
صدقے میں کلک ہی کے تو ہم کو ملے پتے
مدّاح اسکے جملہ رسول و نبی رہے
سایہ میں اِسکے مُرشد و پیر و ولی رہے

کیا کیا میں مدحتِ قلمِ حکمراں لکھوں
قاضی لکھوں، کہ مفتیِ باعزّ و شاں لکھوں
سُلطانِ رُوم، قیصرِ دارانشاں لکھوں
خاقانِ چین، راجۂ ہندوستاں لکھوں
طبل و عَلَم کا حامی و ہمراز ہے یہی
اختر کا دوست صادقِ سربانہ ہے یہی

مخمّس

(برنظمِ خواجہ حیدر علی آتشؔ!)

ہوئے شاعرِ نکتہ داں کیسے کیسے
لکھے جوہرِ فرد ہاں کیسے کیسے
دکھائے عدم کے نشاں کیسے کیسے
دہن پر ہیں اُنکے گماں کیسے کیسے
کلام آتے ہیں درمیاں کیسے کیسے

نہ ہے بزمِ جمؔ اور شرابِ گوارا
نہ ہے خوانِ حاتمؔ برائے مدارا
نہ کیخسروی کاخ و طاق و منارا
نہ گورِ سکندرؔ، نہ ہے قبرِ داراؔ
مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے

اُسے رقصِ بسمل کا جو حوصلا تھا
فقط ایک ہی ہاتھ سب کے لگا یا
پئے وارِ دیگر ہر اک نے پُکارا
نہ مُڑ کر بھی بیدرد قاتل نے دیکھا
تڑپتے رہے نیم جاں کیسے کیسے

نگاہِ غضب غمزۂ ناوک افگن
ہیں راہِ محبّت میں قزّاق و رہزن
لیا لُوٹ صبر و تحمّل کا مخزن
عجب کیا چھُٹے رُوح سے جامۂ تن
لٹے راہ میں کارواں کیسے کیسے

کلی خونِ دل پہلے کھاتی ہے کیا کیا
صبا لُطف سے پھر ہنساتی ہے کیا کیا
ہر اک پنکھڑی رنگ لاتی ہے کیا کیا
زمینِ چمن گُل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

جگر چاک و پُر داغ و گھائل ہوئے ہیں
خدا سے قضا ہی کے سائل ہوئے ہیں
یہ جاں دینے پر تینوں یکدل ہوئے ہیں
تمہارے شہیدوں میں شامل ہوئے ہیں
گل و لالہ و ارغواں کیسے کیسے

زباں واقفِ چاشنیِ نعم ہے
زباں ہی پہ بس حصرِ قول و قسم ہے
اسے وِرد نامِ خدائے قِدم ہے
کرے جس قدر شکرِ نعمت وہ کم ہے
مزے لوٹتی ہے زباں کیسے کیسے

خراشِ جگر اور چاکِ گریباں
طپش قلب کی کاہشِ جانِ سوزاں
فتورِ حواس اور اشکوں کا طوفاں
غم و غصّہ و رنج و اندوہ و حرماں
ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

کوئی خانہ مثلِ خورنق اگر ہے
حقیقت جو پوچھو تو جائے خطر ہے
نہیں کوئی کاشانہ مدِّ نظر ہے
دل و دیدۂ اہلِ عالم میں گھر ہے
تمھارے لئے ہیں مکاں کیسے کیسے

گُل و لالہ ہاتھوں میں ساغر لئے ہیں
خوشی میں وہ جامے سے باہر ہوئے ہیں
مئے ارغوانی کے دورے چلے ہیں
بہار آئی ہے نشّہ میں جھومتے ہیں
مُریدانِ پیرِ مغاں کیسے کیسے

جو منصور کا عشقِ حق مانتے ہیں
جو حالِ غمِ کوہکن جانتے ہیں
نہ دل سے یہ بات سب کہہ رہے ہیں
تپِ ہجر کی کاہشوں نے کئے ہیں
جُدا پوست سے استخواں کیسے کیسے

صبا آ رہی ہے چمن ہونگے دلکش
فدا ہونگے پھُولوں پہ خوبانِ مہوش
مۓ عشق سے ہوگا اخترؔ بھی سرخوش
بہارِ گُلستاں کی آمد ہے آتش
خوشی پھرتے ہیں باغباں کیسے کیسے

مخمّس

(بر نظم چکبست)

تصنّع میں حقیقت کا تماشا ہو نہیں سکتا
طلسمِ سامرہ اعجازِ موسیٰؑ ہو نہیں سکتا
جو مصنوعی ہے قدرت کا نمونہ ہو نہیں سکتا
زباں سے جوشِ قومی دل میں پیدا ہو نہیں سکتا
اُبلنے سے کنواں وسعت میں دریا ہو نہیں سکتا

بہت کی سیر ہم نے شہر و بازارِ تعصب کی
مسافت قطع کی وادی و کہسارِ تعصب کی
چھُپی ہر جا ملیں چنگاریاں نارِ تعصب کی
بہت پنہاں رہی دل میں خلش خارِ تعصب کی
مگر اب امتحاں کے وقت پردا ہو نہیں سکتا

نگاہِ غیر میں گرچہ ذلیل و خوار و اسفل ہوں
نفاقِ باہمی سے ہند کے سب شہر مقتل ہوں
جگر میں زخم ہوں اور درد کی شدت سے بیکل ہوں
جدا سینے سے دل ہو دست و بازو قوم کے شل ہوں
مگر دل سے جُدا دم بھر یہ کانٹا ہو نہیں سکتا

جواہر کی ہوس ہے لیک خالی کیسۂ زر ہے
نہیں کرتے تمیز اصلا خزف ہے یا کہ گوہر ہے
جو لعلِ بے بہا ہے اُس کو کہتے ہیں کہ پتھر ہے
گراں ہے جنس اور نیت خریدار و نکی ابتر ہے
اب اس بازار میں اُلفت کا سودا ہو نہیں سکتا

محبّانِ وطن کو ہموطن جاہل سمجھتے ہیں
جو ہو اصلاح کی کوشش تو لاحاصل سمجھتے ہیں
طبیبِ قوم کے نسخہ کو لاطائل سمجھتے ہیں
جسے ہے فکر مرہم کی اُسے قاتل سمجھتے ہیں
الٰہی خیر ہو یہ زخم اچھا ہو نہیں سکتا

سُنو بے حاصلی ہے پست ہونا اپنی آنکھوں میں
بغایت سافلی ہے پست ہونا اپنی آنکھوں میں
نہایت کاہلی ہے پست ہونا اپنی آنکھوں میں
کمالِ بزدلی ہے پست ہونا اپنی آنکھوں میں
اگر تھوڑی سی ہمّت ہو تو پھر کیا ہو نہیں سکتا

ترقی روکتی ہے ہر زماں بے مائگی دل کی
کیا کرتی ہے خونِ نوجواں بے مائگی دل کی
تنزل سے ہے ہر دم ہمعناں بے مائگی دل کی
اُبھرنے ہی نہیں دیتی یہاں بے مائگی دل کی
نہیں تو کون قطرہ ہے جو دریا ہو نہیں سکتا

پھٹا جاتا ہے دل عشاق کے خونریز نالوں سے
بہت ہمدردی ہے بیدل کے دردآمیز نالوں سے
کِشش دل کو عنادل کے ہے اُلفت خیز نالوں سے
محبّت ہے مجھے کوئل کے درد انگیز نالوں سے
چمن میں جا کے میں پھُولوں کا شیدا ہو نہیں سکتا

"چلے جاؤ سائمن، چلے جاؤ سائمن"

(۱۹۲۸ء میں سائمن کمیشن کے ہندوستان آنے پر)

صدا ہے یہی ہر حبیبِ وطن کی
امیرِ وطن کی، غریبِ وطن کی
یہی دُھن ہے ہر اک ادیبِ وطن کی
لبیبِ وطن کی، اریبِ وطن کی
چلے جاؤ سائمن، چلے جاؤ سائمن

سیہ پوش ماتم کناں آئے ہیں ہم
لئے کالی جھنڈی پئے خیر مقدم
یہی لب سے مصرع نکلتا ہے ہر دم
ہمارا ہے نعرہ یہی بہرِ ویلکم[1]
چلے جاؤ سائمن، چلے جاؤ سائمن

[1] Welcome

میر غلام رسول نازکی
ڈائرکٹر ریڈیو کشمیر
سرینگر

یہاں آپ آئے ہیں ناخواندہ مہماں
وہی قدر ہوگی کہ ہیں جسکے شایاں
ضیافت کے کیا کیا مہیا ہیں ساماں
ہے تشنیع حلوا تو طعنہ نمکداں
چلے جاؤ سائمن، چلے جاؤ سائمن

یہاں تو ہے سامانِ افسوس وحرماں
مئے سُرخ خوں ہے گزک قلب بریاں
عوض چائے گرم اشک چشمانِ گریاں
عوض پاؤ روٹی جگر ہائے سوزاں
چلے جاؤ سائمن، چلے جاؤ سائمن

ہماری ترقی کا جب وقت آیا
ہوئی خواہش آزادی کی سب میں پیدا
توجہ نہ کی سُلطنت نے کچھ اصلا
خلافِ تعاہد کمیشن کو بھیجا
چلے جاؤ سائمن، چلے جاؤ سائمن

کمیشن سے ہم کو سروکار کیا ہے
ذرا دیکھئے عہدِ سرکار کیا ہے
گذشتہ زمانے کا اقرار کیا ہے
اب آزاد کرنے میں تکرار کیا ہے

چلے جاؤ سائمن، چلے جاؤ سائمن

کئے ہم نے انگلش پہ احسان کیا کیا
وہ تھے جنگ کے وقت پیمان کیا کیا
ہمارے دلوں میں تھے ارمان کیا کیا
مگر اب ہوئے ہم پشیمان کیا کیا

چلے جاؤ سائمن، چلے جاؤ سائمن

نہیں آپ کے وعدوں پر کچھ یقیں ہے
زباں پر تو "ہاں" اور دل میں "نہیں" ہے
بظاہر بہت صاف رائے رزیں ہے
بباطن کدورت مگر دل نشیں ہے

چلے جاؤ سائمن، چلے جاؤ سائمن

بہت عرصہ تک ہند نے کی غلامی
نہیں اب ہے منظور قیدِ دوامی
بزرگانِ ہند و مسلمانِ نامی
سوراج اور آزادی کے سب ہیں حامی
چلے جاؤ سائمن، چلے جاؤ سائمن

ہوئی لیڈروں کی یہ توہین کیسی
کہ اُن پر چلائی گئی ہائے لاٹھی
زہے صبر و ہمّت کہ اُف تک نہ نکلی
شہادت ہوئی لاجپت رائے جی کی
چلے جاؤ سائمن، چلے جاؤ سائمن

اگر جوش آجائے دُنیا ہلا دیں
مہ و خور کو اوجِ فلک سے گرا دیں
زمین و سمندر پہ ہلچل مچا دیں
بگولے ہوں برپا وہ طوفاں اُٹھا دیں
چلے جاؤ سائمن، چلے جاؤ سائمن

اگر تم نے کر بھی لیا کام اپنا
ولایت میں روشن کیا نام اپنا
جو صدمے سے ہم لینگے دل تھام اپنا
تو سوچو، کہ کیا ہوگا انجام اپنا
چلے جاؤ سائمن، چلے جاؤ سائمن

کریں گے جو مظلوم یاں آہ وزاری
تو دُنیا میں ذلّت ہے، عقبیٰ میں خواری
نہ ہو، تا کہ دارین میں شرمساری
ترانہ یہ اخترؔ کے لب پر ہے جاری
چلے جاؤ سائمن، چلے جاؤ سائمن

رُباعیات

رُباعیات

احباب سے اُمیدِ رفاقت کیسی
عشرت میں یہ دیں فریب عُسرت کیسی
کیا کاغذی پھولوں میں ہو خوشبو کا سوال
برفاب میں گرمی و حرارت کیسی

اولاد بھی، علم بھی بڑی دولت ہے
ان کے لئے دولت کی مگر حاجت ہے
بے زر کے نہ علم آئے، نہ اولاد پلے
زر اصل اصول ہمگی نعمت ہے

کہتے ہیں وکیل کا ہے پیشہ اچھا
قلاش غنی، امیر نادار بنا
مانا ہو نصیب گنجِ قاروں لیکن
ہوتا ہے عذاب کس قدر خلے سے سِوا

گاندھی نے زور پھر دکھایا اپنا
سکّہ کُل ہند میں بٹھایا اپنا
تقریر سے کرلیا سبھوں کو بس میں
کیا منتر بسی کرن سُنایا اپنا

کیجے گر چار سمت عالم میں نظر — دیکھو گے یہ گردشِ فلک سے اکثر
بے علم ہیں بے فکر، غنی اور زردار — عالم محتاج و بے زر و دست نگر

تنقید کے اب ہیں کالجوں میں اذکار — تنقید پہ علم کا ہے بس دار و مدار
نیکی برباد ہے گنہ لازم اب — سعدیؔ امرد پرست و حافظؔ میخوار

بدلے نہ ذرا بھی خدمتِ قوم کا طور — ہر چند غریب ہندیوں پہ ہو جور
جوشِ قومی ہے آتش، اور ظلم ہے باد — آتش ہوتی ہے مشتعل باد سے اور

ہو مقصد دنیوی کہ دینی ہو کام — پاتا نہیں وہ بلا سفارش انجام
کرتے نہیں اُمت کی شفاعت جو رسُولؐ — جنّت میں نہ پاتا کوئی مُسلم آرام

قطعات

قطعاتِ تاریخ

قطعۂ تاریخ وفات ٹھل بھائی پٹیل!

صدر اعلیٰ انجمن کے تھے پٹیل
اُن کے ماتم کا ہے ہر سو شور وائے
مصرع تاریخ اخترؔ نے لکھا
چل بسا اک رستم شہزور وائے
۱۳۲۵ھ

قطعۂ تاریخ وفات

بابو ہر دیال صاحب (ایڈوکیٹ)

ناموَر قانون دانِ شہر، بابو ہر دیال
صاحبِ اقبال و اہلِ حشمت و عالی گُہر
روزِ یکشنبہ، نہم ذی الحجہ، وقتِ عصر وہ
کر گئے محنت سرائے دارِ فانی سے گُذر
تھا وکالت میں اُنھیں جملہ غوامض پر عبور
رائے اُن کی تھی رزیں، تقریر اُنکی پُر اثر
ذہن اُن کا زود فہم و عقل اُنکی موشگاف
حافظہ اُن کا قوی، باریک بیں اُنکی نظر
آتے تھے جس دم عدالت میں برائے بحث وہ
کہتے تھے اُنکے مخالف الامان و الحذر

صدمۂ جانکاہِ رحلت سے ہوا دل پاش پاش
مجتمع احباب ہیں باآہِ سرد و چشم تر
شستشوئے اشک سے وہ محو ہو سکتا نہیں
داغِ فرقت ہو گیا ہے دل پہ نقشِ کالحجر
ہے مشیت ایزدی میں چارۂ انسان کیا
پس دلِ محزون زیادہ غم نہ کھا اب صبر کر
مصرعۂ تاریخ اَحقر نے لکھا ہے حسبِ حال
پہونچا اجلاسِ خدا پر یہ وکیلِ نامور
۱۳۴۷ھ

قطعۂ تاریخ

تولّدِ فرزندِ ارجمند بخانۂ بابو برج گوپال صاحب

(برادرِ حقیقی مصنّف)

اخی برجبیں سیرت برجگوپال اہلِ دانش نے
جو پایا رشکِ مہر و ماہ فرزندِ نکو اختر
پئے نورِ نظر لکھنا ہے گر تاریخ نورانی
کہو اختر چراغِ دودۂ بابا ہریشچندر

سمت ۱۹۹۱ بکرمی

عجمیات

غزلیات

شب چو مہ در خواب دیدم صورتِ دلدار را
بارِ احساں خوش کشیدم طالعِ بیدار را

پیشِ خالت عنبرِ سارا نہ دارد ہیچ قدر
نسبت از زلفت نباشد نافۂ تاتار را

کوہ و صحرا غرق از طغیانیٔ اشکم شود
وا کنم اے ابرِ تر گر چشمِ دریا بار را

تا شود حاصل ز تو کامِ دلم بہرِ خدا
از میاں بردار اے بت پردۂ انکار را

آنکہ از مخموریٔ چشمش جہانے بیخود است
گشتہ ام دیوانہ حُسنِ آں پری رخسار را

کوچۂ جاناں بچشمم رشکِ باغِ جنّت است
سایۂ طوبےٰ نیرزد سایۂ دیوار را

پائے در گِل شد صنوبر از قدِ رعنائے تو
سرو در پیشت ندارد طاقتِ رفتار را

گر بہ دام آوردم آں شیریں سخن را عیب نیست
دوست میدارند مردم مُرغِ خوش گفتار را

می طپد احقر بخاک و خوں ز احراقِ فراق
کُن ز آبِ وصل تسکیں کُشتۂ دیدار را

دیگر

چوں نگہدارم ز شورش ایں دلِ بیتاب را
بس بود مشکل بر آتش داشتن سیماب را

نیست ابروئے صنم از طاق بیت اللہ کم
سجدہ پیش آرد ہلالِ عید ایں محراب را

ریزشِ چشمِ ترم کرد ابرِ نیساں را خجل
ریخت اشکم آبروئے گوہرِ خوش آب را

دل بر آمد با کمند زُلفش از چاہِ ذقن
شد بہ ناف اکنوں چہ سازم چارۂ ایں گرداب را

در بلا شد ہر کہ اخترؔ کار نادانستہ کرد
دل بہ بند زُلفش آخر دید پیچ و تاب را

دیگر

خطا شد صادر از من نافہ گفتم خالِ جاناں را
بہ آہوئے خطا تشبیہ دادم چشم فتّاں را
جدا از آفتاب روئے او ہر دم کشم افغاں
چہ ساں یارب بروز آرم شبِ تاریک ہجراں را
چو بیند قمری بستاں گہے سروِ خرامانت
رود از خود نہ بیند بار دیگر سرو بستاں را
گہر شد غرق دریائے خجالت پیش دندانت
شکستہ رنگ بر رو از لبت لعلِ بدخشاں را
نہ مطرب نے گُل و ساقی نہ گلروئے سمن بوئے
چہ سازد ایں دلِ ناشادِ ما سیرِ گُلستاں را
جُدا کردی سرِ شوریدہ ام با خنجرِ برّاں
جزاک اللہ نہادی بر سرِ من بارِ احساں را

دمے کز لعل جاں بخشِ تو جاناں بوسۂ یابم
اگر خضر آورد پیشم ننوشم آبِ حیواں را
ندارد حُسنِ اصلی از لباسِ عارضی پروا
نباشد حاجتِ سرمہ گہے چشمِ غزالاں را
بیا در زلفِ پیچانش شدم درخواب چوں اَحقرؔ
تماشا کرد چشمِ من ہمہ شب سنبلستاں را

دیگر

وقتِ مستی چو مکیدیم لبِ میگوں را
نشۂ عشق فزوں گشت دلِ مفتوں را
کے مشابہ بہ دہن و رُوئے تو شد غنچہ و گُل
نسبت از سرو چہ بیجاست قدِ موزوں را
گل سر از شاخ کشد از پئے تشبیہ بفخر
گر بخوئیم بچمن بہرِ رخش مفتوں را
منم آں پیر معلم بدبستانِ جنوں
کہ چو طفلاں سبقِ عشق دہم مجنوں را
ہر کلامے کہ بر آمد ز دہانِ اختر
دادہ یک آبروئے تازہ دُرِ مکنوں را

دیگر

چو قاتلم بکند ذبح در ہوائے شراب
دلم کباب شود خون من بجائے شراب
کند چو مغبچہ حسنِ گراں ز لُطف ارزاں
دہیم نقد دل خویش در بہائے شراب
نمی خوریم غذا غیر بوسۂ لب یار
نمی کنیم دگر نوشجاں سوائے شراب
دریں چمن کہ مے و مطرب و سحاب و ہواست
بیا چو میل دل تو بود برائے شراب
بروں ز حد بیاں بس چساں کند احقرؔ
زبانِ حال کند صرف در ثنائے شراب

دیگر

آں بُتِ کافر بمن تا یار شد
رشتۂ جاں رشتۂ زنّار شد
کرد دلہائے جگر ریشاں کباب
از شرابِ ناب چوں سرشار شد
سرو پا در گِل نماندہ در چمن
چوں نگارم بر سرِ رفتار شد
لالہ ساں آخر ز جوشِ داغہا
سینۂ من تختۂ گلزار شد
ہیچ از دشمن شکایت ہا نماند
یارِ من چوں بر سرِ پیکار شد

دیگر

ترا ظلم اے ستم ایجاد دادند
مرا مظلومی و بیداد دادند
صنم را کینہ و بیداد دادند
بعاشق نالہ و فریاد دادند
ہمہ عشاق از خود مُرغِ دل را
برائے صید آں صیّاد دادند
ازادّل خونِ عاشق بود مرکوز
بدستش خنجر و فولاد دادند
برائے سیر کوہ و وادئ عشق
بہ قیسِ بیدل و فرہاد دادند

دیگر

کردہ ام کوئے یار مسکنِ خویش
کہ کنم آگہش ز شیونِ خویش

فصلِ گل آمد و ز دستِ جنوں
میکنم چاک جیب و دامنِ خویش

تیغ بر کف چو سوئے من گذری
بارِ منّت کشم بہ گردنِ خویش

چہرہ بنما چو آفتاب ز ابر
پردہ بر کش ز روئے روشنِ خویش

چوں سلامت برم متاعِ دل
کردہ ام دیدۂ تو رہزنِ خویش

از رگِ جان نمودہ ام زنّار
تا کہ دانی بُتا برہمنِ خویش

ساعتے سیرِ گُلرخِ تو کنم
دور مفگن مرا ز گُلشنِ خویش

دیگر

زراہِ لطف آں رشکِ قمر دوش
بایں کم از سہا گردید ہمدوش
دلِ دیوانہ را از سر جنوں شد
کشیدم چوں پری رو را در آغوش
بعیاری معلم شد کہ دامت
کہ حرفِ دوستی کردی فراموش
چو ہوشش گفتمش از قہر گفتا
مرا خورشید باشد حلقہ در گوش
خمارِ نشۂ ہجر از سرم رفت
شدم چوں از لبِ میگونش مے نوش

دیگر

بے گلِ اندام بہ گلگشتِ گلستاں نہ روم
بے مے و جام پئے سیرِ خیاباں نہ روم
کام جاں گرد ہدم سبزۂ پشت لبِ یار
در پئے خضر سوئے چشمۂ حیواں نہ روم
بر صفائے رُخِ او پائے نظر می لغزد
دادا اندیشہ کہ در چاہِ زنخداں نہ روم
سیر بینم اگر آں سبزۂ چشم و عارض
بتماشائے گل و نرگسِ حیراں نہ روم
رو گرفتم دگر از مہرِ بتاں اے احقر
تا مگر پیشِ خدا سر بہ گریباں نہ روم

دیگر

بزیرِ زُلفِ جانان طُرفہ خالِ عنبریں دیدم
میانِ کافرستاں ہندوئے را در کمیں دیدم
دریں ہندوستاں بسیار شوخِ نازنیں دیدم
ندیدم بیش از حسنت چو دیدم در کمیں دیدم
مگر شد شہرۂ آں شاہِ خوباں بر سرِ گردوں
کہ مہ را از رخش داغِ غلامی بر جبیں دیدم
نمیدانم کرا بسمل نمود آں قاتلِ عاشق
کہ خوں آلودہ اش دستِ نگاریں آستیں دیدم
زچشمِ من نبات و انگبیں افتادہ اے اختر
چو شیریں تر لبِ او از نبات و انگبیں دیدم

دیگر

بہ قدِ یار ز پیر و جواں نمی بینم
چو ابرو و مژہ تیر و کماں نمی بینم
بہ غنچہ مثل دہانت در آیدم نہ نظر
گلے چو روئے تو در بوستاں نمی بینم
مقابلِ لب و دنداں بہ سُرخی و بہ صفا
بہ بحرِ گوہر و لعلے بہ کاں نمی بینم
کسے بہ دہر مثالت ندید معشوقے
چو خویش عاشقے اندر جہاں نمی بینم
چگونہ فکر نہ سازم برائے گور اختر
ز تیغ ابروئے قاتل اماں نمی بینم

دیگر

خوشا روزیکه آں خورشید باشد همنشینِ من
شبستانم بیارا اید جمالِ مہ جبینِ من

منم کز جان و دل وارفتۂ او یم نمیدانم
کمر چوں بست بر قتلم نگارِ نازنینِ من

بیا در خانۂ چشمم کہ از بہرِ نثارِ تو
نظر گوید کہ دُر بار است جیب و آستینِ من

چو او را یوسفِ ثانی بگفتم با غضب گفتا
مہ کنعاں یکے باشد غلامِ کمترینِ من

گہے کافر بیا دِ زُلف رویش گہہ مسلمانم
زند شیخ و برہمن خندہ بر آئینِ دینِ من

کنم پروانہ ساں بارے فدا جان و دلِ خود را
نشیند شمع روئے من اگر یک شب قرینِ من

شود برہم صفِ خوباں مثالِ اختراں احقرؔ
سحر چوں رو نماید مہر وشں یارِ حسینِ من

دیگر

ساخت آں بُت ز ابرو و مژگاں
بہر صید دلم چو تیر و کماں
کن قدم رنجہ زود اے بیدیں
در رہت فرش کردہ ام چشماں
سوئے من دید و آں مژہ سرِ تیز
مثل نشتر خلید در رگِ جاں
یافتن بوسہ از لبِ معشوق
ایں کجا بخت اے دلِ ناداں
رونق باغ حسنت افزوں گشت
گل برخسار شد خطِ ریحاں
بشنوم نام تو اگر دمِ نزع
جاں در آید بقالبِ بیجاں

گشت بیدار طالعم امشب
کہ بخواب آمد آں مہِ تاباں
از رہِ مہر اے فلک کر دی
تا سحر کرد ایں شبِ ہجراں
بادہ و جام و نقل اے اختر
ناگوار امر است بے جاناں

دیگر

چساں بینم تماشائے بہارِ لالہ روئے اُو
کہ میگردم پئے بادِ صبا مشتاق بوئے اُو
بگوشش سرگذشتِ من بگفت آں کاکلِ پیچاں
نمودم مو بمو حالِ پریشاں روبروئے اُو
گریباں چاک از دستِ جنوں سویش روم گاہے
رقیباں چوں سگاں گیرند دامانم بکوئے اُو
ندارد رتبۂ عنبر بہ پیش خالِ مشکینش
چہ نسبت نافۂ تاتار را با تارِ موئے اُو
نمی آیم بحالِ خود من خود رفتہ را عمریست
چناں گم گشتم اے احقر بدشتِ جستجوئے اُو

دیگر

عاشق کہ سوئے مُلکِ عدم شد سفرِ اُو
دل خستہ مگر بود بہ یادِ کمرِ اُو
بگداختہ در بوتۂ غم آتش رویش
رنگِ رخِ ما کرد چو زر سیمبرِ اُو
قامت شدہ چوں حلقہ دوتا در غمِ زلفش
تا عمر خود از دست گذارم نہ درِ اُو
بس نالہ بہجرِ بتِ بیدین بہ نمودم
در سنگ دلش ہیچ ندیدم اثرِ اُو
تیغِ نگہ آں ترک بہ اختر زدہ از ناز
وز خندہ نمک ریخت بہ زخمِ جگرِ اُو

دیگر

برگ پان بالب آشنا کردی
خونِ دل خوردنم روا کردی
جامۂ صبر را قبا کردم
زانکہ زیب تنت قبا کردی
بے خطر از خدا مرا اے بُت
بر درِ خویش جبہ سا کردی
در بیابان عشقم اے لیلی
ہمچو مجنوں برہنہ پا کردی
شد معطّر دماغم از بویش
منّتے برمن اے صبا کردی

بوسہ دادی ز لعل جاں بخشت
دل بیمار را دوا کردی
از لب لعل غیرت یاقوت
زرد رنگم چو کہربا کردی
چشم را آہوئے خطا احقر
بہ غلط گفتی و خطا کردی

"فقیر برہنہ"

در سنہ ۱۹۳۲ء حضرت گاندھی بحیثیت نمائندۂ ہندوستان بہ لندن رفتہ بود

انچہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب
انقلابِ بیکراں در نظمِ گیہاں می رود

در نمی گنجد بہ پیراہن کسے از انبساط
پائے کوباں دست افشاں و غزلخواں می رود

دوستے بگرفتہ دامانم بگفت اینک ببیں
ہریکے از حاکم و محکوم شاداں می رود

باز آمد گوئیا عہدِ کہن اندر وطن
کینۂ دیرینہ از دلہائے ایشاں می رود

ختم شد آں دورِ ادبار و مصیبت ہائے ہند
قصۂ طولانیٔ غمہا بہ پایاں می رود

در سیاست انقلابے این چنیں آمد پدید
یک "فقیر برہنہ" در پیش خاقاں می رود
آں "فقیر برہنہ" پا گز پئے تعظیم او
گفتگو ہا بر زبانِ بادشاہاں می رود
آں فقیر بے سر و ساماں کہ بر ہر گام او
شاعر از لب شاہ از کف گوہر افشاں می رود
آں فقیر تارک الدنیا کہ اسم پاک او
چوں وظائف بر زبانِ پاکبازاں می رود
آں فقیر آں عیسئی دوراں کہ از انفاسِ او
تازہ روحے دمبدم در قوم بیجاں می رود
صلح جوئے و صلح خوئے و صلح کیش و صلح کوش
از برائے صلح سوئے انگلستاں می رود
یک تجلّی زار باشد یورپ از انوار او
زانکہ از مشرق بہ مغرب شمس تاباں می رود
یا پئے تعبیر خوابے حالیا پیشِ عزیز
یوسفے حسب الطلب از قیدِ زنداں می رود

یا برائے آبیاری ہائے نخلِ حُریت
آرے آرے از ریاضِ خلدِ رضواں می رود

یا بدفع کربِ سُہرابِ جری رستم بہ غم
در تلاشِ نوشدارد نزد دقاآں می رود

یا رسُولے بر بُراقِ عزم باجبرئیل ہوش
بہرِ دیدارِ جلالِ ظلِّ یزداں می رود

یا بسوئے کعبہ از بہرِ ادائے حج پاک
چادرِ احرام بستہ یک مسلماں می رود

یا کہ جبریلِ امینؑ نزدِ رسُولانِ زماں
از مقامِ سدرہ با احکامِ یزداں می رود

یا ہزار خوش نوا بیتاب در فصلِ بہار
در تلاشِ بوئے گُل سوئے گلستاں می رود

یا بجذبِ عشق بہرِ وصلِ بلقیس سوراج
جانبِ شہرِ سبا تختِ سُلیماں می رود

یا تہمتن در تلاشِ رخشِ گم کردہ زدشت
خستہ دل در خدمتِ شاہِ سمنگاں می رود

بیدق شطرنج یا بہر تقابل با وزیر
جانبِ دربارِ دیگر مرزبانان می رود
یا بہ بزمِ نکتہ فہمانِ رموزِ مملکت
رشکِ سقراط و فلاطوں فخرِ سحباں می رود
احقرش گوید دُعا تا باز آید کامیاب
آمیں آمیں بر زبانِ خیر خواہاں می رود

"مشتِ غبار"

(مخمّس)

خطاب بہ مولانا شوکت علی کہ در ۱۹۳۲ء بہ لندن رفتہ بود

ایکہ خواہی خویشتن را رہنمائے مسلمیں
ایکہ پنداری وجودت را نصیر ملک و دیں
ایکہ داری داغ ناپاک غلامی بر جبیں
دوستاں نفریں کنندت دشمناں صد آفریں
زیں فضولیہا نشد لاکن دلِ تو منفعل

از برائے چہ بسوئے انگلستاں رفتۂ؟
بہر آزادی بہ پیشِ حکمراناں رفتۂ؟
نے برائے بخیۂ چاکِ گریباں رفتۂ
بلکہ بہرِ انقطاع جیب و داماں رفتۂ
بالیقیں ہر قول و فعل تو بوحشت مشتمل

بود زخمِ منکر اندر سینۂ پر شورِ ما
قابلِ اصلاح لیکن بود ایں ناسورِ ما
دشمنے آمیخت سم در مرہم کافورِ ما
پارہ پارہ شد ازاں ریشِ دلِ رنجورِ ما
زود تر شاید نہ گردد ایں جراحت مندمل

از مساعئ بلیغ گاندھئ دردآشنا
قلعۂ مستحکم آزادئ ما شد بنا
حافظ آں قلعۂ روئیں نمودی خویش را
پس چرا در ساختی با دشمن از مکر و دغا
کردی اے بدبخت آں حصنِ حصیں را مضمحل

کجروی ہائے تو کردہ سینۂ مردم فگار
ناسپاسی ہائے تو ہلاک تر از دندانِ مار
آنکہ در آفاق کردت روشناسِ روزگار
آنکہ تا عرش بر بنیت برد اے مشتِ غبار
وائے باشی بر سرِ پیکار با آں اہلِ دل

عزّ و شانِ ہندیاں در چشمِ عالم کم شدہ
واقفِ رازِ دروں اقوام نامحرم شدہ
اختلافِ مسلم و ہندو عیاں پیہم شدہ
حیف ایں شیرازۂ قومی ز تو برہم شدہ
متصل اجزائے دلہا گشتہ یکسر منفصل

ایں نزاعِ باہمی الحق شد از ایمائے تو
از کدورت کور گشتہ دیدۂ بینائے تو
آتشِ پرخاش جزوِ اعظم از اجزائے تو
بود پنہاں در دلت ظاہر شد از سیمائے تو
شعلۂ جوّالۂ آں شد بہ لندن مشتعل

آنکہ بودہ مغوئ ضحاک شاہِ فارسی
آنکہ مائل کرد آدم را پئے گندم خوری
آنکہ در آموخت اہلِ کوفہ را فتنہ گری
گویم از روئے یقیں بیشک توئی بیشک توئی
زانکہ در آزادئ احرار گردیدی مخل

قلبِ اعدا از عداوتہائے تو شاداں شدہ
خیر خواہ ملک و دیں از جان و دل نالاں شدہ
مرد و زن در کوہ و صحرا آہ سرگرداں شدہ
پیر و برنا سینہ کوباں نوحہ خواں گریاں شدہ
ہے چہ آفت کردۂ اے کافرِ ایماں گسل

می ندانی کز جہاں فرعون و ہاماں نیز رفت
یا کہ نمرودِ لعیں مردودِ گیہاں نیز رفت
پورِ مرداس عجم پابندِ شیطاں نیز رفت
شاہِ دیواں صخرۂ عہدِ سلیماں نیز رفت
می نہ ترسی از قضا بہرِ تو ہم آید سجل

روزِ محشر پیش گاہِ داورِ یوم التناد
مومناں را درجۂ خلدِ بریں خواہند داد
مسلمیں در ظلِ شاہِ انّما باشند شاد
تو بباشی درمیانِ صحبتِ ابنِ زیاد
در قیامت چترِ شمرت افگند بر فرقِ ظل

خواب و خیال

سنہ ۱۹۳۲ء

در خواب دوشم نیم شب چرچل پدیدار آمده
در بارۂ ہندوستاں ہر نوع گفتار آمده
گفتم کہ اہل کانگرس گفتا گنہگار آمده
گفتم کہ لبرل پارٹی گفتا وفادار آمده
گفتم کہ جوش ملک بیں گفتا کہ بیدار آمده
گفتم کہ اہلِ ملک را گفتا کہ ادبار آمده
گفتم کہ باشی مہرباں گفتا کہ بیکار آمده
گفتم روا داری جفا گفتا سزاوار آمده
گفتم "فقیر برہنہ" گفتا کہ آمد پیش شہ
گفتم کہ استقبال اُو گفتا کہ شہوار آمده
گفتم کہ حشمت راچہ شد گفتا کہ شد خونبار از ال
گفتم دل تو چوں بود گفتا کہ بیزار آمده

گفتم کہ ہست اہلِ نظر گفتا کہ زندانش مقر
گفتم کہ این سختی چرا گفتا ز احرار آمدہ
گفتم جواہر لال جی گفتا کہ آں مردِ نغی
گفتم زبانِ تیز او گفتا کہ طرار آمدہ
گفتم کہ خونش جوش زن گفتا ز مکتوبش عیاں
گفتم دلش پیمانہ گفتا کہ سرشار آمدہ
گفتم کہ خان غفار خان گفتا از و صد الاماں
گفتم کہ سر حدّی جواں گفتا کہ جرّار آمدہ
گفتم کہ رخت ہندیاں گفتا بہ بر خونیں کفن
گفتم کہ بختِ ہندیاں گفتا شبِ تار آمدہ
گفتم کہ مالِ ہندیاں گفتا کہ یغمائے پسہ
گفتم کہ جانِ ہندیاں گفتا کہ بردار آمدہ
گفتم وفائے کانگرس گفتا بود جرمِ صریح
گفتم بنائے حرّیت گفتا کہ مسمار آمدہ
گفتم محبِّ ملک را گفتا کہ قید و ضربِ بید
گفتم پئے غدار چہ گفتا کہ دستار آمدہ

گفتم بسر گاندھی کلہ گفتا سز دچوبِ سپہ
گفتم بہ کھدّر کن نگہ گفتا تن افگار آمدہ
گفتم نزاعِ باہمی گفتا وجودم را سبب
گفتم کہ باہم یکجز باں گفتا کہ دشوار آمدہ
گفتم خراج و باج را گفتا مضاعف میشود
گفتم کہ حالِ سلطنت گفتا کہ بس زار آمدہ
گفتم غلامی تا بکے گفتا کہ تا حکمِ قضا
گفتم کہ ہند آزاد کن گفتا کہ دشوار آمدہ

نوحۂ سردار بھگت سنگھ

فریاد از تو آسماں صد الحذر صد الاماں
ناوک بداری در کماں ہر دم پئے ماہندیاں
گویم چساں جور ت کنوں اے روسیاہ سرنگوں
مثل زحل تیرہ دروں تیرہ بروں تیرہ واں
فرعون ہستی در منش ہاماں زمستی در کنش
ہر ساعت اندر صد خلش داری تو جانِ انس و جاں
مارے ترا در آستیں از بہر سکّانِ زمیں
زاں مثلِ ضحاکِ لعیں جانے ستانی ہر زماں
دیدی چہ جُرم ناسزا از ہندیانِ بے خطا
کز سفلگی داری روا تعزیر ہا بر بیکساں
نے زورِ تن نے زورِ زر نے گرز نے تیغ و تبر
با ایں ہمہ سینہ سپر دادند و بر کف جانِ شاں
مرگِ بھگت سنگھ اہل دل کردہ ہمہ را مضمحل
از ہند تا چین و چگل در ماتمش شد نوحہ خواں

حالت زغم گشتہ زبوں سر چوں بنفشہ شد نگوں
از چشم اشک لالہ گوں رُخ زرد ہمچوں زعفراں
دیدہ زاخگر گرم تر سینہ پُر از نارِ سقر
چوں کورۂ فولاد گر قلب و جگر آتش فشاں
آں نوجواں شیرِ ژیاں پُر زور چوں پیلِ دماں
روئیں تن ہندوستاں چوں رستم اندر سیستاں
از دہر چوں رُو تافتہ سوئے جناں بشتافتہ
عمرِ دوامی یافتہ واصل شدہ با جانِ جاں
گشتہ پیش زہر اجل آبِ حیاتِ بے بدل
در قسمتش بود از ازل چوں خضر عمرِ جاوداں
پروانۂ شمعِ وطن جانباز ملّی انجمن
ہم رنگِ بلبل نعرہ زن در گلشنِ ہندوستاں
مانند یوسف شانِ اُو حُبِّ وطن ایمانِ اُو
کنعانِ اُو زندانِ اُو در قید بودہ شادماں
لاغر بدن ہمّت قومی عزمش مصمم دل جری
بیساختہ آید ہمی توصیفِ اُو بر ہر زباں

در جسم ما و تا بانده دم میگفت "بندے ماترم"

بوده چه مردِ ذی ہمم بر جانش رحمت جاوداں

شد جنبش زیر نگیں صد آفریں صد آفریں

خُدامش آمد حور عیں رضوانش آمد میزباں

نذرِ وطن جانش شده برہند احسانش شده

گاندھی ثنا خوانش شده ذاتش بود فخرِ زماں

رطبُ اللّساں در مدح او ہم دشمنانش ہم عدو

طوقِ غلامی از گلو بشکست آں روشن رواں

بود آں ہنر بر صف شکن دلدادۂ حُبِّ وطن

گوئی مسیحائے زمن بردار رفت و داد جاں

چندانکہ بر ذاتش پدر نازد نباشد بیشتر

کورا خداداد ایں پسر فخرِ زمیں فخرِ زماں

اُو بود ابراہیم وش گشتہ ز قربانیش خوش

آہے نیامد بر لبش جز شُکرِ خلّاقِ جہاں

از تو بگویم بے ریا اے لارڈ ڈاروِن برملا

آیا ہمیں طرزِ وفا بود دست در شاہنشہاں

گشتی ز گاندھی ہمنفس شد آشتی باکانگرس
پیماں ببستی زیں سپس بر ہند باشی مہرباں
برعکس آں بستی کمر بہرِ قصاص اے دادگر
آرے تو ہستی بے خبر از عادلِ آخر زماں
رُوحش جدا کردی زتن دادی نہ یک تا را ز کفن
اندر غمش بیت الحزن شد کشورِ ہندوستاں
گویم کنوں بے ریب و شک از نوحۂ ما یک بیک
خیلِ ملائک بر فلک گردیدہ مشغولِ فغاں
پیمان واثق بود ایں؟ اقرار صادق بود ایں؟
بہر تو لائق بود ایں؟ در صلح و در امن و اماں
برداشت بر جانش بلا صد مرحبا صد مرحبا
دارم رجا روزِ جزا خالق کند انصاف آں
اہلِ تناسخ بر زمیں ترسد چرا کز روئے دیں
دارد دلش کامل یقیں اُو باز آید در جہاں
اخگرؔ مکن رنج و الم کز جوشِ خونش دمبدم
حاصل شود بر ہر قدم آزادیٔ ہندوستاں

قصیدۂ انعقادِ جلسۂ الوداعی جناب ڈاکٹر محمدؐ زبیر صدیقی

پرفسور عربی بہ دانشگاہِ لکھنؤ

دوستے گفتا بمن ہر جانب افغاں می رود
ہر کس و ناکس ز غم در بیت احزاں می رود

اندکے بیں تفرقہ پردازیِ چرخِ مُحیل
صدمۂ بر خاطرم از سنگ ہجراں می رود

گر حدیثِ جور و ظُلمش باتو گویم مُو بمو
لرزہ بر اندام افتد وز تنم جاں می رود

گر جراحت خوردۂ باشد دریں عالم کسے
جائے مرہم از فلک بہرش نمکداں می رود

لیک متحیر شوم چوں بنیمت لوحِ جبیں
از چہ باعث عشرت و عُسرت بہ پایاں می رود

هست یک چشمت مسرّت زاو دیگر اشکبار
عالمے از دید حالت طُرفہ حیراں می شود

من ازو گفتم نباشد اندریں جائے شگرف
صبر کن اثبات در افہام و اذہاں می شود

بشنو۔ از دار العلوم لکھنؤ مسٹر زبیر
سوئے کلکتہ بہ بزم قدرداناں می شود

بر علوئے رتبہ اش زاید خوشی اندر دلم
بر فراق ناگزیر از دست داماں می شود

بس مفخر گشتہ ام بر عزّت و توقیر او
فرقم از غایت طرب تا اوج کیواں می شود

ہر یکے از خیر خواہانش بدل خوشنود ہست
بر ترقیِ نمایاں ایں سخنداں می شود

از برائے بندوبستِ جنّتِ علم و ہنر
مژدہ باد اے اہلِ بنگالہ کہ رضواں می شود

لکھنؤ چوں بحرِ عُماں آمدہ نازم ہمی
آرے آرے ایں گہر از بحرِ عُماں می شود

لکھنؤ آمد بدخشاں اندراں ذاتش چو لعل
آرے آرے لعل رخشاں از بدخشاں می رود
لیکن از رنجِ دلی و صدمۂ دردِ فراق
ہر کس از احباب او سر در گریباں می رود
از دلِ ہر کس کہ بشنید ایں خبر وحشت اثر
آہ و زاری و بکا و شور و افغاں می رود
نالہ چوں از ہمصفیرانِ چمن ناید بروں
عندلیب گلبن علم از گلستاں می رود
اشکِ خونی مانیفشانیم چوں یعقوب دار
یوسفِ مصرِ سخن از مُلکِ کنعاں می رود
بودہ اش زیرِ نگیں مُلکِ فصاحت از ازل
تاج و تختِ عقل و دانش را سلیماں می رود
گوئے سبقت اُو ز میدانِ بلاغت در ربود
آنکہ اہلِ فضل را بو دست سحباں می رود
عالمِ تاریخ و منطق دینیات و فلسفہ
حسرتا از لکھنؤ ایں فخر یوناں می رود

توتیائے ہست خاکِ پائے او کز فیض آں
چشمہ چشمہ نور در چشمِ صفاہاں می رود

گوہرِ دُرجِ بلاغت، دُرّۃ التاجِ سخن
کز پئے پابوسیش صد بحرِ عُمّاں می رود

تشنگانِ علم را وردِ زباں شد العطش
حیف از ظلماتِ شہرم آبِ حیواں می رود

ہست او مہرِ سخن لیکن عجائب ایں بود
شرق را از غرب خورشید درخشاں می رود

سینۂ من چوں ہدفِ رنجِ فراقش ہمچو تیر
دردِ اُو در سینہ ام چوں نوکِ پیکاں می رود

ہر کسے آمد دریں مجلس بشد سینہ فگار
خاک بر سر، چشم پرنم، دل پریشاں می رود

حالِ زارِ اہلِ مجلس چوں بہ تحریر آورم
شمع ہم با آہِ گرم و چشم گریاں می رود

تا کجا من شرح و بسطِ رنجِ ہجرانش کنم
بر دعایش قصۂ فرقت بہ پایاں می رود

ہمچو گلہائے چمن بشگفتہ بادا خاطرش
تا حدیثِ لالہ و ریحاں بہ بستاں می رود

یا خدا محفوظ دار اُو را از آلامِ خزاں
تا زمستاں ز آمدِ بادِ بہاراں می رود

در اماں ماند ز گرم و سردِ عالم یا خدا
تا خُرورِ آفتاب از ابرِ باراں می رود

باخلوص و صدقِ دل احقر بوقتِ الوداع
السلامش گفتہ با رنجِ فراواں می رود

خطاب بہ علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال

ایکہ بجان و دل شدم والۂ تو فدائے تو
مست نمود خلق را نالۂ تو نوائے تو

نور فزائے چشم عقل پرتوِ مہر رائے تو
بزمِ ادب منوّر است الحق ازیں ضیائے تو

شاہِ قلم و سخن، خسروِ ملکِ علم و فن
گشتہ بہ شش جہت علم پرچم تو لوائے تو

محو شدند عالماں، فلسفیان و صوفیاں
سحر کُند بہ سامعاں نغمۂ دلربائے تو

دفترِ معنئِ دقیق جمع کنی بہ مصرعے
نورِ ہزار آفتاب منتشر از سہائے تو

اشہبِ خامہ سُست و لنگ در رہِ مدح ذاتِ تو
عرصۂ صفحہ ہست تنگ در صفت و ثنائے تو

شکوۂ از تو میکنم بخش جسارتِ مرا
دارم اُمید ایں چنیں از کرم و عطائے تو
مسئلۂ سیاسیات سلسلہ ایست پیچ پیچ
در خور ایں نمی بود عقلِ گرہ کشائے تو
گوہر خویش را چرا بر سرِ سنگ بشکنی
قیمتِ نقد خود نگر بہتر ازیں بہائے تو
شاخِ نہال سدرۂ خار و خسِ چمن مشو
اصل تو از ملک بود عرش بریں است جائے تو

ڈاکٹر ٹیگور

اے بلبلِ گلشنِ معانی
اے طائرِ شاخِ نکتہ دانی
یعنی رابندر ناتھ ٹیگور
نام تو بہ چار دانگ مشہور
صیتِ سخنت فرا گرفتہ
شرق وہم غرب را گرفتہ
سرتاجِ سخنورانِ گیہاں
صد مایۂ افتخارِ دوراں
شمعِ بزمِ سخن سرائی
قندیلِ حریم پارسائی

فکرِ تو بلند چرخ پیما
عقلِ تو بود محیط آسا
نغماتِ تو دلفریب و دلکش
الحانِ تو بر زبانِ مہوش
افسانہ نویس، نغز گفتار
زندہ تصویر، جملہ کردار
در فنِ مصوّری یگانہ
مانی بہزاد یک فسانہ
حُبّ الوطنی وظیفۂ تو
حُرّیّت بودہ صحیفۂ تو
اے پیغمبرِ قصرِ ذو الجلالی
بے مثل مثالِ بے مثالی
رفتی و گذاشتی ہمہ را
چشم پرنم حباب آسا
سنہ ۱۹۴۱ء

بر وفات مسز سروجنی نائڈو

سنہ ۱۹۴۹ء

عندلیبِ ہند چوں خاموش گشت
در چمن جوشِ نوا باقی نماند
حرفِ او بس دلکش و سحر آفریں
در سخن آں نغز گفتاری نماند
گشت بے اُو قصرِ دولت بے فروغ
گوہرِ تاجِ جہانداری نماند
بود دینش خدمتِ خلقِ خدا
آں خدا بینی خود آگاہی نماند
قلب اُو روشن ز انوارِ خلوص
حیف صد حیف آں دلِ صافی نماند

اتّحادِ ہندو و مُسلِم ازو
سبحہ را آں تار زنّاری نماند
در سیاست تیز گام و تندرو
آں رم آہوئے صحرائی نماند
رفت از دنیائے فانی غم مخور
رُوح او ہست ار تنِ خاکی نماند
سرد شد ہنگامۂ شعر و سخن
آں قدح بشکست و آں ساقی نماند

نظم استقبالیہ وفد ایران

اپریل سنہ ۱۹۴۷ء

بحمداللہ جہاں پُرشور و دل پُرنور شد اینجا
زمغرب سوئے مشرق شمس را باشد ظہور اینجا
اگر فردوس چشم و گوش می خواہی ببین بشنو
کلیم اینجا، کلام اینجا و نور اینجا و طور اینجا
علی حکمت کہ بر حکمش حکیماں می برند ایماں
بحکمت او بود مصحف ارسطو چوں زبور اینجا
ز نوشانوش ایں محفل بشارت بادمستاں را
بیا نی ساقی پاک است و نطق او طہور اینجا
ہمہ تن گوش گشتہ ہر در و دیوار ایں ایواں
بیامد حلقۂ احباب از نزدیک و دُور اینجا

قطعۂ تاریخِ وفات

جناب بابو لکشمن پرشاد صاحب ایڈوکیٹ

لکشمن پرشاد اہلِ دانش و علم و خرد
منطقیٔ خوش بیاں قانوندان نکتہ زا

پاک باطن، پاک طینت، پاک سیرت، پاک دل
سینہ پُر اسرار و رُخ آئینۂ نورِ خدا

سرفراز و سربلند آزادہ رو عالی منش
گردنِ او خم نشد اِلّا بہ پیشِ کبریا

رفت از دنیائے فانی و شدہ واصل بحق
جانِ خود بسپرد با جاں بخش بے چون و چرا

بُود فخرِ ہمسراں و دیگراں در پیشِ او
ہمچو انجم پیشِ خور بے رونق و نور و ضیا

حاکمانِ عہد در توصیف او رطب اللساں
ہم عدالت عالیہ را چیف جج محوِ ثنا
از پئے نفعِ خلائق وقف کردہ عمرِ خویش
سعیٔ او بودہ رفاہِ عام ہر صبح و مسا
مبتلائے رنج و غم شد از فراقش عالمے
یک جہاں مصروف شد در نالہ و آہ و بکا

در فراوانیٔ غم اخترؔ کشید از دل الف
ہائے رفتہ لکشمن پرشاد از دارِ فنا

سمت ۱۹۹۱ بکرمی

قطعۂ تاریخ وفات

مسٹر اے، پی ہسین (بیرسٹر)

منبعِ جود و سخا معدنِ خلق و وفا
مرجعِ خلق کثیر آں مردِ نیک اختر بمرد
ملہمِ غیبی ز اختر بہر سالِ بکرمی
گفت ہے ہے مسٹر اے، پی ہسین بیرسٹر بمرد

سمت ۱۹۹۱

قطعۂ تاریخ شہادت

نادر خاں (والیِ کابل)

شہادت یافت نادر خاں بحکمِ مبرمِ یزداں
ثنا خواں رُوحِ پاکِ شاہِ مرداں شد بجانبازی
با جھتر از پئے تاریخ سالِ جانگزائے اُو
سروشے گفت از عرش بریں، اُف قتل شد غازی

سنہ ۱۹۳۳ء

قطعۂ تاریخ تصنیف

"مناجات بدرگاہِ قاضی الحاجات"

مُصَنّفۂ:۔ منشی اودھ بہاری لال صاحب ثمرؔ

رقم زد ثمرؔ ایں مناجات بہ
ملک گفت احسن، فلک گفت زہ
بپرسیدم از شیخ شیراز سال
بگفتا کہ اے احقرِ خوش خصال
بصدق و ارادت کریما بہ بیں
بہ تحریف شعرِ نخستیں گزیں
ازاں شعر ہر جملہ را گذار
پئے سال اعداد معجم شمار
کریما بہ بخشائے بر حالِ ما
کہ ہستیم مجبوسِ آز و ہوا
۱۳۴۵ھ

قطعۂ تاریخ وفات

مسٹر ٹھل بھائی پٹیل!

(سابق صدر اسمبلی)

صد حیف برفت از جہانِ فانی
آں صدر نشیں انجمنِ عالی شاں
از ہاتفِ غیب چوں بپرسیدم سال
گفتا مسٹر پٹیل رفتہ بہ جناں

سنہ ۱۹۳۳ء

دیگر

شومیِ بخت ببیں از ما
رہبرِ ہند جُدا شد ہے ہے
مردِ میدانِ وفا بود پٹیلؔ
ہدفِ تیرِ بلا شد ہے ہے
گشت محبوس بہ عہدِ پیری
صلۂ خوب عطا شد ہے ہے
رفتہ یورپ پئے تشخیص و علاج
لیک او را نہ شفا شد ہے ہے
شد مکدر دلِ ہر کس ز الم
از جہاں اہلِ صفا شد ہے ہے
مشعلے بود فروزاں ذاتش
کشتۂ بادِ فنا شد ہے ہے

رفع کردہ علمِ حُریت
لیک کامش نہ روا شد ہے ہے
بود سحبانِ زماں در تقریر
خامش از جورِ قضا شد ہے ہے

از پئے سال نوشتم اختر
غرق دریائے فنا شد ہے ہے

سمت ۱۹۹۰ بکرمی

قطعۂ تاریخ طبع "بہارِ سخن"

تاریخ شعرائے ہنود (فارسی)

رقم ساخت برقؔ این کتابِ نفیس
بہ تحقیقِ کامل بہ سعیِ نیف
مبارک کہ در باغِ شعر و سخن
ربیع آمد و شد زمانِ خریف
چو احقر بجست از پئے طبع سال
ز طبعِ رسا و ز فکرِ لطیف
کہ ناگاہ رضواں ز باغِ جناں
بگفتا "بہارِ سخن" شد لطیف

سنہ ۱۳۵۱ھ

قطعۂ تاریخ انتقالِ پُرملال وکیلِ باکمال جناب بابو ہردیال صاحب

وکیلِ نیک سیر بابو ہردیال برفت
بہ سیرِ خُلد بہ فرمانِ داورِ دادار
رئیسِ اعظم و خوش خلق و بامروّت بُود
حلیم و صاحبِ صدق و صفا و اہلِ وقار
زعلم و دولت و اقبال بر سرش ایزد
بہ کلک صُنع رقم ساخت طالعِ بیدار
بگشت شہرہ بہ آفاق پارسائی او
کہ بود قبلۂ احرار و کعبۂ ابرار
چہ ذکر مخلص قلبی و دوستانِ شفیق
زذاتِ پاک نیامد بہ دشمناں آزار
خدائے پاک بدارد قائم اولادش
بہ جاہ و شوکت و اقبال تا بروز شمار
برائے سالِ وصالش ندا شنید احقر
زاوجِ عالمِ لاہوت "رحمتِ غفار"
سنہ ۱۹۲۹ء

([illegible])